بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

اک سائبانِ نور ہے سر پر قدم قدم

(جنوبی افریقا سے جنوبی ہند تک ۔ سفرنامہ)

کوکب نورانی اوکاڑوی

اسلامی تقویم کے سال ۱۴۲۴ ہجری کے بارہویں مہینے کے آخری جمعۃ المبارک کو جامع مسجد گلزارِ حبیب میں قرآن کریم کے چودھویں پارے کی تفسیر کا بیان مکمل ہوا۔ مسلسل تفسیر قرآن کے درس کا جمعۃ المبارک کے اجتماع میں یہ سلسلہ میرے ابا جان قبلہ علیہ الرحمہ نے کراچی آمد پر شروع کیا تھا، اٹھائیس برس میں انہوں نے سورۂ فاتحہ سے سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات تک تفسیر بیان فرمائی۔ جس آیت تک انہوں نے بیان فرمایا تھا اس سے اگلی آیت سے اس فقیر نے بفضلہٖ تعالیٰ تفسیر کا بیان شروع کیا اور بیس برس میں تقریباً پانچ قرآنی پاروں کی تفسیر مکمل ہوئی۔ اسی شب مجھے براستہ دبئی، جنوبی افریقا کے لیے سفر کرنا تھا کہ وہاں دارالعلوم پری ٹوریا کے زیرِ اہتمام ایک بار پھر ماہ محرم کے پہلے عشرے میں دس روزہ مجالس محرم سے خطاب کا وعدہ کر چکا تھا۔ جنوبی افریقا کے شہر لنازیا میں پہلی مرتبہ 1991ء میں مجالس محرم سے خطاب کیا تھا لیکن وہ تقاریر اردو میں ہوئی تھیں، اس کے دس برس بعد جنوبی افریقا کے شہر ''پری ٹوریا'' کے علاقے لوڈیم کی جمعہ مسجد میں دارالعلوم پری ٹوریا نے پری ٹوریا مسلم ٹرسٹ کے تعاون سے مجالس کا اہتمام کیا تھا۔ اس فقیر نے دس روزہ مجالس سے انگریزی میں خطاب کیا، ان مجالس کو وہاں کے نوجوان طبقے میں بہت مقبولیت ملی کیوں کہ وہاں نئی نسل انگریزی کے سوا تقریر نہیں سنتی، ان کا کہنا ہے کہ نعت شریف تو عربی یا اردو میں ہو تو یقیناً وہ نبی پاک ﷺ کی تعریف ہی ہوتی ہے، سمجھ نہ آئے تو بھی اثر کرتی ہے ورنہ ترنم ہی اچھا لگتا ہے، لیکن تقریر سمجھ نہ آئے تو صرف سننا گوارا نہیں۔ جنوبی افریقا میں عموماً ایک گھنٹے سے زیادہ کسی خطاب کا تصور ہی نہیں کیا جاتا اور رات میں تمام سامعین کا ایک گھنٹا بھی بیٹھے رہنا مشکل ہوتا ہے۔ ''بڑی راتوں'' میں بھی عموماً دیر تک اجتماع نہیں ہو پاتے۔ یہ اللہ کریم جلَّ شانہ کا خاص فضل وکرم ہے کہ برسوں سے اس فقیر کے تین چار گھنٹے کے خطاب میں بھی اول تا آخر ہجوم برقرار رہتا ہے بلکہ بہت سے افراد دوسرے علاقوں سے اپنے اجتماعات میں شرکت کے بعد میرے خطاب کی سماعت کے لیے آتے رہے۔ مسجد کے علاوہ دن کے اجتماعات کسی ہال یا شامیانے میں ہوئے تو سامعین کو دیکھا گیا کہ وہ تقاریر کے دوران باہم گفتگو جاری رکھتے ہیں لیکن میرے خطاب میں ''پِن ڈراپ سائلنس''، یعنی سامعین ہمہ تن گوش ہو کر سنتے ہیں اور بحمدہٖ تعالیٰ بہت سراہتے ہیں، متعدد نوجوانوں نے برملا اعتراف کیا کہ ہمیں نہ صرف تمہارا لہجہ و انداز پسند ہے بلکہ ہر بات پوری طرح سمجھ آتی ہے اور ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں۔

اس فقیر کا پروگرام تو عیدالاضحیٰ کے فوراً بعد روانگی اور ماہ محرم سے قبل واپسی کا تھا، دارالعلوم پری ٹوریا کے مہتمم مفتیٔ اعظم افریقا حضرت مولانا محمد اکبر صاحب ہزاروی کو میری آمد کی خبر ہوئی تو انہوں نے امسال مسجد سیدنا غوث اعظم (رضی اللہ تعالیٰ

عنہ)لوڈیم میں مجالس عشرۂ محرم کا پروگرام بنالیا اور فون پر یہ بھی بتایا کہ زِم باب وے اور بوُٹ سوانا والے بھی منتظر ہیں۔اپنے ارادے کے مطابق میں نے جو پروگرام ترتیب دیا تھا وہ دھرارہ گیا اور مَیں حضرت مفتی صاحب کا پابند ہوگیا۔

جمعہ کی شام روانگی سے قبل بنگلا دیش سے حضرت مولانا ابوالبیان ہاشمی کا فون آیا کہ 17 مارچ کو ڈھاکا میں کسی کانفرنس میں مرکزی کلیدی خطاب کے لیے وہ مجھے مدعو کررہے تھے اور چند ہی لمحے بعد مفتی قاضی محمد ابراھیم مقبولی کا مدینہ منورہ سے فون آیا۔انہوں نے ممبئی کے جناب محمد زبیر قادری کے حوالے سے اپنا تعارف کرواتے ہوئے 25 تا28 مارچ کو بھارت کے صوبہ کرناٹک میں ہانگل شریف میں سالانہ عرس شریف میں خصوصی خطاب کی دعوت دی اور شدید اصرار کیا۔ان دونوں سے عرض کی کہ دو گھنٹے بعد سفر پر روانہ ہورہا ہوں اور واپسی کی تاریخ طے نہیں ہے۔دونوں نے جنوبی افریقا میں رابطے کا فون نمبر لے لیا۔دن میں حضرت مولانا سید ریاض حسین شاہ صاحب نے متحدہ عرب امارات میں وقت دینے کے لیے سفارش فرمائی تھی ،ان سے عرض کی کہ احباب سے فرمادیں کہ وہ مجھ سے رابطہ کرلیں، جو تعاون کرسکتا ہوں اس کے لئے حاضر ہوں۔

جمعہ کی شب روانہ ہوکر 21 فروری کی صبح جوہانس برگ پہنچا تو پری ٹوریا مسلم ٹرسٹ کے سربراہ الحاج ابراہیم کریم قادری نے اپنے رفقاء اور حضرت مولانا مفتی محمد اکبر ہزاروی نے اپنے دارالعلوم کے اساتذہ وطلبہ کے ہمراہ والہانہ خیر مقدم کیا۔جنوبی افریقا میں میرے اولین میزبان ''منصور فیملی'' کے متعدد افراد بھی موجود تھے۔اسی روز نئے ہجری سال کا چاند نکلا اور اسی شب سے شبِ عاشور تک روزانہ مجالس سے انگریزی میں خطاب ہوا۔برطانیا میں بھی یہ دیکھا تھا اور جنوبی افریقا کے کچھ شہروں میں بھی یہ سہولت ہے کہ گھر بیٹھے بھی مساجد کی اذان وجماعت اور وہاں ہونے والے خطاب سنے جاسکتے ہیں،عمر رسیدہ افراد جو فرشی نشست نہیں رکھ پاتے اور خواتین کے لیے اس سہولت سے بہت فائدہ ہے،تاہم مسجد روزانہ بھری رہتی اور خاصی تعداد میں لوگ آتے۔ملائیشیا کے سفیر اپنے احباب کے ساتھ روزانہ ہی آتے اور بہت انہماک سے خطاب سنتے حالاں کہ سات روز مسلسل بارش ہوتی رہی۔جنوبی افریقا میں آئی ٹی وی (i tv) یعنی اسلام ٹی وی چینل شروع ہوا ہے،اس کی طرف سے روزانہ میرے خطاب کی ریکارڈنگ کی گئی،ان کا کہنا تھا کہ تم اگر اختلافِ عقائد کی وضاحت نہ کروتو ہم براہ راست یہ تقاریر ٹیلے کاسٹ کرسکتے ہیں،اب یہ ریکارڈنگ ہم ایڈیٹنگ (قطع وبرید) کرکے ہی نشر کریں گے،وہ میرا انٹرویو بھی ٹیلے کاسٹ کرنا چاہتے تھے لیکن ان سے وقت کی مطابقت نہ ہوسکی،میں نے انھیں اپنی بہت سے وِڈیوسی ڈِیز دے دیں تا کہ وہ اپنی سہولت کے مطابق انھیں ٹیلے کاسٹ کرلیں۔

''دارالعلوم پری ٹوریا'' نے اپنی ابتدا ہی سے جو خدمات انجام دی ہیں ان کا سبھی کو اعتراف ہے۔آٹھ ملکوں کے طلبہ وہاں سے اکتساب علم کرکے سمتوں میں پہنچ رہے ہیں۔مفتی محمد اکبر ہزاروی صاحب اپنے کام سے مقام ومرتبہ پارہے ہیں،وہ ہمہ دم ہمہ جان اپنے کام میں مگن ہیں۔ان کی اہلیہ محترمہ نے بھی خواتین میں تدریس اور وعظ ونصیحت کا نمایاں کام کیا ہے ۔دارالعلوم پری ٹوریا کا ایک نمایاں کارنامہ ''انگریزی زبان میں تفسیر نورالعرفان'' کی اشاعت ہے۔چودہ برس کی مسلسل محنت سے دنیا کو اہل سنت وجماعت کی طرف سے انگریزی زبان میں پہلی مرتبہ تفسیر قرآن تیار کرکے حضرت مفتی محمد اکبر صاحب ہزاروی نے فراہم کی ہے،بلاشبہ یہ ان کا بڑا احسان ہے۔اتوار،29 فروری 2004ءکو اس تفسیرِ قرآنِ کریم کی عالمی تقریبِ

رُونمائی بڑے اہتمام سے منعقد ہوئی۔

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ بارش ہوتی رہی تو کھلے میدان میں تقریب نہیں ہو سکے گی۔دعا کرو کہ تقریب والے دن بارش نہ ہو۔میرے موںھ سے نکلا کہ ان شاء اللّٰہ دو روز، دن میں بارش نہیں ہوگی اور آپ کی تقریب نہایت کام یاب ہوگی۔بحمدہٖ تعالیٰ ایسا ہی ہوا۔

جنوبی افریقا کے سب سے بڑے اور مشہور اخبار ''سنڈے ٹائمز'' میں پورا ایک صفحہ باون افراد کے تعاون سے اس روز شائع ہوا۔دارالعلوم پری ٹوریا کی طرف سے کھلے میدان میں شامیانہ لگا کر ظہرانے کی محفل ہوئی۔مقامی کے علاوہ متعدد شہروں اور دوسرے ملکوں کے حضرات وخواتین کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔مصر کی خاتون سفیر کو خواتین کی باپردہ نشست پسند نہیں آئی، تاہم وہ بھی شریک ہوئیں۔پاکستان کے سفیر جناب اکبر زیب بھی اپنے رفقاء سمیت موجود رہے۔مفتی صاحب کے صدق واخلاص کا اعتراف یوں بھی دیکھا کہ خاصی تعداد میں علمائے کرام بھی اسٹیج پر رونق افروز تھے۔آئی ٹی وی نے اس تقریب کی بھی مکمل ریکارڈنگ کی۔حضرت مفتی صاحب نے خصوصی کلیدی خطاب کے لیے میرا نام مشتہر کیا تھا۔فجر سے ظہر کے درمیان مجھے نیند کی عادت ہے، گزشتہ دو روز سے نیند بھی بہت کم ہو رہی تھی، ادھر حضرت مفتی صاحب چاہتے تھے کہ مثالی خطاب ہو۔انگریزی میں مثالی خطاب کی اس شخص سے توقع عجیب ہی تھی جو 90 فی صد اردو بولنے کا عادی ہو، تاہم حضرت مفتی صاحب میرے خطاب سے نہ صرف مطمئن ہوئے بلکہ بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔امام سعید صاحب جو آئی ٹی وی سے وابستہ ہیں ،میرا خطاب انھیں کچھ زیادہ ہی پسند آیا، فرمانے لگے: یہ خطاب بغیر قطع وبرید کے من وعن ٹیلے کاسٹ ہوگا۔

مولانا محمد حسین مقدم (مرحوم) بھارت کے صوبے مہاراشٹرا کے علاقے کوکن کی نسبت سے کوکنی برادری کے فرد تھے (اصل لفظ کوہ کن بتایا جاتا ہے) 1993ء میں وہ سفر حج میں میرے ساتھ تھے۔ان کی خوبیوں میں خوش مزاجی کے ساتھ خوش خوراکی بھی نمایاں تھی مگر کام کے دھنی تھے۔حضرت مفتی صاحب کی تحریک پر ان کی نگرانی میں قرآن کریم کے اردو ترجمہ کنزالایمان اور اس کے حاشیہ نورالعرفان کو انگریزی کے قالب میں پیش کرنے کے کام میں چودہ برس مسلسل وہ مشغول رہے۔حضرت مفتی محمد اکبر ہزاروی صاحب نے پہلے دس دس پاروں کی دو جلدوں میں اشاعت کی تھی، تکمیل پر آخری جلد کی بجائے دو جلدوں میں یہ مکمل تفسیر پھر شائع کروائی۔انگریزی زبان میں یہ پہلی تفسیر ہے جو اہل سنت وجماعت کی طرف سے منظر عام پر آئی ہے۔کچھ ماہ پہلے مولانا محمد حسین مقدم نے جس روز اردو ترجمہ وتفسیر کا انگریزی میں ترجمہ مکمل کیا، اس کے ستائیس گھنٹے بعد ہی وہ وہ جوہانس برگ شہر میں حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ کے نام سے قائم ہونے والے مرکز کی مسجد میں وضو کے بعد نماز کے لیے بڑھے تو اچانک لڑکھڑا گئے اور وہیں وصال فرما گئے۔

مجھے بتایا گیا کہ مولانا محمد حسین مقدم مرحوم کی نماز جنازہ میں پری ٹوریا کے مسلم باشندے بڑی تعداد میں شامل ہوئے ۔تفسیر قرآن کی تقریب رُونمائی میں ان کے بھائی شیخ شمس الدین مقدم کو یادگاری لوح پیش کی گئی، انہوں نے اپنے بھائی کو حاصل ہونے والی سعادت کو اپنے خاندان کے لیے اعزاز بتایا اور کچھ جملے عقیدت واحترام سے کہے۔درود وسلام اور دعا پر تقریب اختتام پذیر ہوئی اور نمازِ ظہر کے بعد ظہرانہ ہوا۔

ڈربن کے مولانا قاری محمد مبین اشرفی اور پاکستانی سفارت خانے کے نمائندے ڈاکٹر علی احمد نے بھی اس اجتماع سے خطاب کیا تھا۔ دارالعلوم پری ٹوریا کے طلبہ کی بیش تر تعداد کی خاندانی، قومی اور مادری زبان اردو نہیں ہے لیکن وہ صحیح تلفظ اور عمدہ ترنم سے اردو اور عربی کا نعتیہ کلام پڑھتے ہیں تو سماں باندھ دیتے ہیں۔ مجالس محرم میں روزانہ مختلف طرزوں سے یہ طلبہ ہدیۂ درود و سلام پیش کرتے تو سامعین متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ آج کے اجتماع میں بھی طلبہ نے حسن قرأت اور خوش الحانی میں نعت خوانی اور مختلف زبانوں میں حُسنِ تقریر کا مظاہرہ کیا اور خوب داد پائی۔ تقریب میں حضرت مولانا قاری احمد رضا، مولانا عبد النبی حمیدی، مولانا نوشاد عالم، مولانا سید عرفان علی شاہ المعروف سید غوث کمال، مولانا اسلم سلیمان، مولانا سید یوسف، مولانا اسمعیل جعفر، مولانا نور علی نوری، امام ابراھیم عبد الغفور، امام سعید، امام یاسین ایامی، مولانا حافظ محمد اسمعیل ہزاروی، مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا نور عالم، قاری حق نواز، قاری زاہدی مولانا محمد سعید، شیخ منیر وغیرہ نمایاں تھے، متعدد تنظیموں نے اپنے نمائندے اور تحریری پیغامات بھجوائے تھے جن کا تذکرہ تقریب میں کیا گیا۔

مولانا عبد النبی حمیدی کو جنوبی افریقا میں ''دعوت اسلامی'' کی قیادت سونپ دی گئی ہے وہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر خدمات انجام دے رہے ہیں، مولانا حمیدی سے کچھ دیر اسی حوالے سے گفتگو رہی۔ اس روز مجھے میری قیام گاہ تک پہنچانے کے لیے جناب سید حسن کا انتخاب حضرت مفتی صاحب نے کیا اور چند لمحے مجھے وہ شستہ و شائستہ اردو سننے کو ملی کہ لطف آ گیا۔ یہ صالح نوجوان الہ آباد کے ہیں، وہ بتا رہے تھے کہ روزانہ کیو ٹی وی پر وہ مجھے دیکھتے سنتے ہیں، جنوبی افریقا کے کئی شہروں میں یہ ٹی وی چینل دیکھا جا سکتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے بتایا کہ یوم عرفہ کی مکمل ٹرانسمشن یہاں دیکھی گئی اور بہت پسند کی گئی۔ حضرت مفتی صاحب باوجود تمام ذمہ داریوں اور گوناگوں مصروفیات کے یہ اہتمام رکھتے کہ ہر تقریب اور محفل کے بعد مجھے میری قیام گاہ تک خود پہنچاتے اور روز کئی مرتبہ فون پر خیریت پوچھتے۔ اس درجہ خاطر داری اور نگہ داری پر میں شرمندہ ہی رہتا۔ اللّٰہ کریم انھیں بہترین جزا اور بلند درجات سے نوازے۔ آمین۔

مفتی صاحب چاہتے تھے کہ میں ایک دو دن سیر و تفریح بھی کروں۔ ''نیشنل کروگر پارک'' (سفاری) جسے دیکھنے گھومنے دنیا بھر سے لوگ وہاں آتے ہیں، متعدد مرتبہ جنوبی افریقا جانے کے باوجود میں اس پارک کو نہیں دیکھ سکا، حضرت مفتی صاحب اور مولانا حافظ محمد اسمعیل صاحب ہزاروی نے کئی بار کہا کہ دو دن اس سفر میں اس پارک کی سیاحت کے لیے مخصوص کر لیں لیکن بوٹ سوانا، زمبابوے کے ملکوں اور جنوبی افریقا کے مختلف شہروں کے لیے احباب کے تقاضے اس قدر تھے کہ کسی ایک دن نیند بھی پوری ہوتی نظر نہیں آتی تھی اور جس صبح جنوبی افریقا پہنچا تھا اسی روز سے روزانہ ہی ہانگل شریف والوں کا فون آ رہا تھا، ان سے عرض کی تھی کہ پاکستان واپس پہنچ کر بھارت کے لیے ویزا حاصل کرنے کی کوشش کروں گا، اگر مل گیا تو وعدہ کر سکوں گا اور میرے پروگرام کے مطابق میری پاکستان واپسی 23 مارچ کو تھی جب کہ ہانگل شریف والے 25 مارچ کو مجھے مدعو کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی بات بنتی نہ دیکھی تو مقتدر شخصیات سے سفارشیں کروائیں اور اصرار کیا کہ مَیں جنوبی افریقا ہی میں بھارت کا ویزا حاصل کرنے کی کوشش کروں، بنگلا دیش والوں کو مَیں انکار کر چکا تھا۔ آسٹریلیا سے ماہ ربیع النور کے لیے حضرت مفتی محمد اکبر صاحب ہزاروی کے ذریعے مولانا محمد افتخار صاحب نے جنوبی افریقا میں رابطہ کر کے اصرار کیا۔ کچھ یوں

محسوس ہورہا تھا کہ مسلسل سفرہی میں رہنا پڑے گا۔حضرت مفتی صاحب خوداس صورت حال کوملاحظہ فرمارہے تھے۔ بھارتی ہائی کمشن سے رابطہ کیا،انہوں نے پاکستانی سفارت خانے سے تعارفی اور سفارشی خط کی شرط پر ویزا جاری کرنے کی رضا مندی ظاہر کردی۔سیدغوث کمال صاحب ''پیرزادے'' ہیں،ان کے والدمحترم کوکن کے علاقے کے معروف بزرگ ہوئے ہیں۔جو ہانس برگ شہرمیں سیدغوث کمال (جنھیں افریکی اپنے تلفظ میں ''غوث کامال'' کہتے ہیں) کے ہاں بیٹھے ویزافارم سامنے رکھے مَیں سوچ رہاتھا کہ بھارت جیسے بڑے ملک میں صرف چار پانچ دن کے لیے کیا جاؤں؟محترم رفیع شاہ صاحب نے سفارت خانے سے خط تحریرفرمادیا تھا، بھارتی ہائی کمشن نے صرف تین شہروں کے لیے ویزا جاری کیا۔ہانگل والوں کوویزا ملنے کی خبردی تو گویاان کی عید ہوگئی۔ مجھے مشکل ہوگئی کہ افریکی ممالک اورجنوبی افریکا کے دیگرشہروں کے لیے وقت کیسے نکالوں؟ حضرت الحاج پیرمحمد قاسم اشرفی نے کیپ ٹاؤن میں ۱۹مارچ کی سالانہ محفل کے لیے اصرارفرمایا۔ڈربن کے لیے مولانا محمد بانا صاحب کا کہنا تھا کہ کم ازکم ایک ہفتہ ضرورمخصوص رکھوں، بھائی ہارون تار اپنے شہرلیڈی اسمتھ کے لیے،مولانا محمد مبین اشرفی صاحب وَیرلم کے لیے،مولانا سیدمحمد یوسف صاحب لنازیا کے لیےاورمولانا اسلم صاحب جو ہانس برگ کے لیے بار بار تقاضا کررہے تھے۔ بوٹ سوانا کے شہر گیبرون سے ابوبکر صاحب خود آکراورزم باب وے سے منصور رضا صاحب مسلسل فون کے ذریعے اصرار کررہے تھے۔گرے ٹاؤن،کلاکس ڈورپ،چارلس ٹاؤن،۔زِیرسٹ،میفِے کنگ اورسوازی لینڈ سے بھی دعوت کی تکرارتھی ،میں نے پیٹ رٹیف والوں سے بھی کہا ہوا تھا کہ اس بارانھیں ایک ہفتہ ضروردوں گا،وہ روز ہی پوچھتے کہ کب آرہاہوں؟

یہ محبت یہ عزت سب کی سب میرے پیارے نبی کریم ﷺ کی ثناخوانی کا صدقہ اور برکت ہے،دنیا بھرکی یہ سیربھی انہی کے مبارک ذکرکی بدولت ہے، مجھے یہ سعادت میرے گرامی قدر والدِ محترم علیہ الرحمہ کی نسبت سے حاصل ہے،اللّٰہ کریم اس کی قدرکرنے کی توفیق عطافرمائے۔

حاجی ابراھیم کریم صاحب نے مجھے ایک موبائل فون دے دیا تھا،سبھی کوجانے اس کا نمبرکیسے معلوم ہوگیا،جنوبی افریکا کے سفرمیں یہ فون میرے ساتھ رہااوردنیا بھرسے لوگ رابطہ کرتے رہے۔موبائل فون کے فائدے زیادہ ہیں یا نقصان؟ کچھ لوگ اسے ''رحمت'' کہہ رہے ہیں تو کچھ اسے ''زحمت''۔

موبائل فون (جسے وہاں ''سیل فون'' کہا جاتا ہے) وہاں اس قدرعام ہے کہ بہت ارزاں اور ڈِس پوزایبل (یک وقتی استعمال والا) بھی مل جاتا ہےاورکسی شناختی دستاویز کے بغیرمستقل بھی مل جاتا ہے۔

جنوبی افریکا میں پہلے ''صرف گورے'' (وہائٹس اونلی) کا سلسلہ تھا اوراب ''صرف کالے'' کا سلسلہ ہے، پہلے اس طرح انتہاپسندی تھی تو اب اس طرح ہے۔یہاں بغیروائلنس کے سیاسی تبدیلیاں آئی ہیں۔''اپنے جرم کا اقرارکروہم معاف کردیں گے''، یہ پالیسی یہاں اپنا کرانقلاب لایا گیاہے۔صدیوں کی محرومی کے بعداب سیاہ فام باشندے برسرِاقتدارآئے ہیں لیکن جرائم کی بہتات نے ماحول کوبہت آلودہ کردیاہے۔روزہی کسی مسلمان کے گھریا اسٹورپرواردات کی خبربھی ملتی ہے ۔وہ ملک جہاں گھروں کے اطراف چاردیواری بھی نہیں ہُوا کرتی تھی ، اب اونچی اونچی دیواریں ،سیکیورٹی گارڈز، برگلرز الارم،الیکٹرک وائراورطرح طرح سے تحفظ کے اہتمام ہیں،اس کے باوجودعدم تحفظ کا احساس بہت ہے۔سیاہ فام باشندوں

میں ''ایڈز'' کا مرض چالیس فی صد آبادی کو لاحق ہے۔ پہلے وہاں سفید فام لوگوں کے الگ مخصوص علاقے تھے جہاں کسی غیر کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ربع صدی پہلے انڈین باشندوں کے لیے الگ علاقے بنادیے گئے تھے جہاں انھیں مسجدیں تعمیر کرنے اور اسپیکر پر اذان کہنے کی آزادی دی گئی۔ اب کوئی علاقہ کسی کے لیے مخصوص نہیں، تاہم انڈین ایریاز میں سفید وسیاہ فام لوگوں نے تاحال رہائش نہیں رکھی۔ پورے ملک میں لیبرز (مزدوروں) کے لیے جس قدر قوانین ہیں وہ سیاہ فام طبقے کے تحفظ کے لیے ہوکر رہ گئے ہیں، کسی ادارے کے یا گھریلو ملازم کو برطرف کرنا بہت مشکل بنادیا گیا ہے۔ ناگفتہ بہ حالات کے باوجود بے احتیاطیاں بہت ہیں، مسلمان نوجوان لڑکیاں بھی دن رات تنہا اچھی اچھی گاڑیاں ڈرائیو کرتی نظر پڑتی ہیں۔ معاشرت میں کچھ خوبیاں ہیں تو خرابیاں بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی حفاظت فرمائے اور راہ ہدایت پر رکھے۔ آمین

''آنٹی میمونہ'' لوڈیم کے علاقے کی معمر خاتون ہیں اور وہاں سبھی ان کی عزت کرتے ہیں۔ ان کا خاندان مسلکی تصلب اور استقامت کے حوالے سے مشہور ومعروف ہے۔ اپنے گھر میں وہ علماء ومشائخ اور مہمانوں کو کھانا کھلا کے بہت خوش ہوتی ہیں۔ جمعہ مسجد لوڈیم میں نماز جمعہ کی ادائی کے بعد ان کے ہاں ظہرانہ تھا۔ کھانے سے پہلے نعت خوانی اور صلوۃ وسلام ہوا۔ حاجی ابراھیم کریم صاحب کے ہمراہ حاجی احمد سلیمان صاحب، حاجی علی اور حاجی حسین کے ہاں برائے تعزیت وفاتحہ خوانی گیا۔ ڈربن کے مشہور عالم دین مولانا عبدالہادی کے سسر بھی لوڈیم میں قیام پذیر ہیں اور نمایاں شخصیت ہیں، ان کی مزاج پرسی کو بھی گیا۔ الحاج سعداللہ اور مولانا حافظ محمد اسمٰعیل ہزاروی نے دوراتیں مجلس کے بعد اپنے ہاں پُرتکلف عشایئے کا اہتمام کیا۔

ماہ محرم کے پہلے اتوار کو اخبار ''سنڈے ٹائمز'' میں کسی نے ایک رنگین اشتہار شائع کروایا کہ یوم عاشورا میں تحائف بانٹو اور اس دن میں خوشیاں مناؤ۔ اس اشتہار کا جواب میں نے اسی شب مجلس میں تقریر سے پہلے دیا، حاجی ابراھیم کریم صاحب کے ایک دوست نے اگلے دن مجھے فون کیا کہ آپ کا جواب سب تک نہیں پہنچا اگر آپ جواب تحریر کردیں تو عاشورہ سے قبل اتوار کو اخبار میں بصورت اشتہار وہ جواب شائع ہوکر سب تک پہنچ جائے گا، اس دوست نے اشتہار کا خرچ اپنے ذمہ لیا۔ میں نے مفصل جواب تحریر کردیا اور وہ بصورت اشتہار اسی اخبار میں شائع ہوگیا۔ اللہ کریم اس دوست کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

شب عاشور کا خطاب ساڑھے تین گھنٹے کا ہوا۔ حضرت مفتی صاحب نے دس روزہ مجالس کے اختتام پر کلماتِ تحسین وتشکر ارشاد فرمائے۔ اس شب باقی تمام پروگرام بھی ترتیب دے دیا گیا اور کچھ اس طرح کہ آرام کے لیے بھی وقت بچا نہیں رکھا گیا۔ یوم عاشورا میں الحاج ہاشم منصور کے ہاں جانے کے لئے پیٹ رٹیف روانہ ہوا۔ تقابل ادیان کے مشہور مناظر ڈاکٹر احمد دیدات کے بھتیجے ڈاکٹر محمد دیدات بھی وہاں رہتے ہیں اور روزانہ بڑی عقیدت سے ملنے آتے ہیں اور دیر تک نشست رکھتے ہیں۔ جمعہ کو چارلس ٹاؤن جانا ہوا۔ حضرت محمد اسمٰعیل قاسم پوچی بابا کے مزار شریف پر فاتحہ خوانی کی۔ ان کے خانوادے میں دوخواتین وفات پاگئی تھیں، اہل خانہ سے اظہار تعزیت کیا۔ اس سفر میں محترم حاجی غلام محمد اسمٰعیل منصور میرے ہمراہ تھے۔ اتوار کو ابراھیم یوسف اسمال قادری کے ہمراہ ڈربن شہر پہنچا۔ جوہانس برگ کے بعد یہ جنوبی افریکا کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ مغرب کے بعد پہنچے تھے، طعام کے بعد نصف شب تک ''منصور فیملی'' کے افراد ہی سے باتیں ہوتی رہیں۔ اگلی صبح سب سے پہلے ''رضا اکادمی'' کے آفس گیا۔ مولانا محمد بانا بھی وہاں میرے منتظر تھے۔ رضا اکادمی کے لیے یہ جگہ میرے والد گرامی علیہ

الرحمہ کے عقیدت مندالحاج حسین میاں واسگری نے ہدیہ کی تھی ۔اسی لورن اسٹریٹ پر حاجی عثمان عیسی مرحوم کے ہاں میرے والدصاحب قبلہ علیہ الرحمہ نے قیام فرمایا تھااور جنوبی افریکا کے پہلے سفر میں اسی مکان میں میرا بھی قیام رہا تھا۔اسی اسٹریٹ پر رضا اکادمی کے اس دفتر میں کتابوں، کیسٹوں کی لائب ریری بھی ہے، محفل خانہ بھی ہے، کمپیوٹر کا شعبہ بھی ہے اور یہیں تدریس بھی ہوتی ہے۔ یہاں محافل میں تبرک یعنی طعام کی تیاری کا سلسلہ بھی رہتا ہے۔رضا اکادمی کی طرف سے انگریزی میں مطبوعات کا ایک تسلسل ہے، حضرت مولانا عبدالہادی صاحب نگرانی کرتے ہیں، محمد یونس صاحب مجھے تمام تفصیل سناتے رہے، مجھے بہت خوشی ہوئی کہ وہ فعال ہیں اور نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ میں نے انھیں پیرزادہ علامہ اقبال احمد صاحب فاروقی آف لاہور، مولانا محمد بدیع العالم رضوی آف چاٹ گام بنگلا دیش اور جناب محمد زبیر قادری آف ممبئی بھارت اور جماعت اہل سنت برطانیا وغیرہ کے پتے لکھوائے تاکہ ان سے سے بھی وہ مربوط ہوں اور مطبوعات کا تبادلہ ہو۔ یونس صاحب نے خود کو درپیش مسائل کا ذکر کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ انھیں کچھ وقت دوں۔ان سے عرض کی کہ وہ فی الواقع محسوس کریں کہ ان مسائل کے حل میں مَیں ان سے تعاون کرسکتا ہوں تو مجھے یاد کرلیں، ان شاء اللّٰہ تعالیٰ یہ فقیر انھیں ضرور وقت دے گا۔ محمد یونس صاحب نے مجھے مطبوعات کا ایک سیٹ بھی دیا اور عود کی خوش بو والی اگربتی بھی دی۔اپنی جو کتابیں، کیسٹیں اور سی ڈیز لے گیا تھا میں نے انھیں پیش کیں۔رضا اکادمی کے دفتر سے ہم وکٹوریا اسٹریٹ آئے۔حاجی حسین میاں واسگری 93 برس کی مدت اس دنیا میں گزار چکے ہیں۔ان سے ملا، وہ مجھے دیکھتے ہی اپنی نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بہت عقیدت ومحبت سے ملے۔انہوں نے حضرت مولانا احمد مختار صدیقی علیہ الرحمہ کا دور بھی دیکھا ہوا ہے۔ میرے والدگرامی علیہ الرحمہ کے ہر جلسے میں ان کے ساتھ وہ افریکا ضرور جاتے تھے، ان کا اصرار ہوتا ہے کہ ان کے ہاں کھانا ضرور کھاؤں، گزشتہ کچھ اسفار میں ڈربن شہر میں میرا قیام بہت مختصر رہا ہے، ان سے معذرت کی، ان کے فرزند سے حاجی صاحب کی باتیں پوچھتا رہا، وہ بتارہے تھے کہ ان کے والد صاحب کو کچھ نسیان کبھی ہوجاتا ہے لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ نماز پڑھی نہ ہو اور کہیں کہ پڑھ لی ہے بلکہ پڑھ کے کہتے ہیں شاید نہیں پڑھی اور اعادہ کرتے ہیں۔حاجی صاحب کے ایک فرزند حضرت مولانا مفتی محمد حسین قادری سکھروی علیہ الرحمہ سے بیعت ہیں۔حاجی صاحب سے مل کر ہم ''مصطفیٰ رضا ریسرچ سینٹر'' پہنچے۔حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے نام سے یہ ادارہ فاضل نوجوان مولانا آفتاب قاسم صاحب نے قائم کیا ہے اور ابتداہی عمدہ مطبوعات سے کی ہے۔وہ دفتر بند کرکے جاچکے تھے ،ان سے فون پر بات ہوئی۔وہاں سے ہم حضرت بادشاہ پیر علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں ہدیۂ سلام پیش کرنے پہنچے۔ڈربن کے مرکز میں حضرت آرام فرما ہیں۔وہاں سے رِی وَرسائڈ میں حضرت صوفی غلام محمد صاحب حبیبی کے مزار شریف پر فاتحہ خوانی کے لیے گئے۔شہر میں ایک دو کتب خانے بھی دیکھے۔ڈربن شہر سے مَیں اگربتی ضرور لیتا ہوں، ایک ہی جگہ اگربتیوں کی اتنی بہت سی ورائٹی (اقسام) مجھے صرف وہیں دیکھنے کو ملی۔شام ہورہی تھی اور آج شام ڈربن کے احباب سے ملاقات کے لیے مخصوص تھی ۔مجاہد اہل سنت مولانا محمد بانا بہت سے رفقاء کے ساتھ آئے۔مولانا آفتاب قاسم صاحب بھی تشریف لائے۔ایک معمر سید صاحب بھی اپنے فرزندان کے ساتھ آئے، انھیں میرے والدگرامی علیہ الرحمہ سے والہانہ عقیدت ہے وہ بچشم نم اپنی شکستہ اردو میں اباجان قبلہ علیہ الرحمہ کی باتیں کرتے رہے۔احباب سے سوال وجواب اور گفتگو کا سلسلہ شب دو بجے تک جاری رہا۔اگلی صبح

مجھے پہلے ڈربن سے جوہانس برگ پہنچنا تھا اور وہاں سے ایک گھنٹے بعد کیپ ٹاؤن کے لیے روانہ ہونا تھا۔موبائل فون کے ذریعے جانے کتنے لوگ رابطہ کرتے رہے۔انڈیا سے فون کا تسلسل تھا ان کا اصرار تھا کہ تین دن پہلے انڈیا پہنچ جاؤں،وہ پروازوں کے اوقات اور سفر کی ترتیب کے لیے فکر مند تھے۔انہوں نے بتایا کہ وہ اشتہار شائع کر چکے ہیں،انھیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتا رہا۔جوہانس برگ ایرپورٹ پر حضرت مفتی صاحب اور مولانا حافظ محمد اسمٰعیل ہزاروی موجود تھے۔کتابوں کا بکس انھیں دیا اور اگلی پرواز کا بورڈنگ پاس لے کر''وَن ٹائم''ایرلائن کے طیارے میں سوار ہوگیا۔پہلی مرتبہ اس ایرلائن سے سفر ہورہا تھا۔آدھ گھنٹے دیر سے پرواز شروع ہوئی لیکن مقررہ وقت سے پانچ منٹ پہلے کیپ ٹاؤن پہنچ گئی۔کیپ ٹاؤن کو ''مدرسٹی''ام البلاد بھی کہا جاتا ہے۔اس خطے میں ابتدا میں لوگ اسی شہر سے داخل ہوئے تھے۔اس خطے میں آنے والے پہلے مسلمان بزرگ حضرت شیخ یوسف کا مزار شریف''فوری''کے علاقے میں ہے۔اس شہر کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے ہر کنارے پر مزار شریف ہے۔

حضرت الحاج پیر محمد قاسم صاحب اشرفی اپنے چاروں فرزندان اور متعدد احباب کے ساتھ استقبال کو آئے ، پیر صاحب بہت متواضع اور سادہ مگر بہت پیاری شخصیت ہیں ،وہ اپنی مثال آپ ہیں ،انھیں ملنے والا انھیں فراموش نہیں کرسکتا۔وہاں سبھی ان کے گرویدہ ہیں۔مجھ گناہ گار کے لیے وہ اس درجہ محبت وعقیدت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ مَیں شرمندہ ہوجاتا ہوں۔ان کے چاروں فرزند،ان کی حسن تربیت کی بہترین مثال ہیں۔ایک فرزند مولانا محمد محسن اشرفی ، عالم دین ہیں ،ایک فرزند ڈاکٹر ہیں۔آداب واطوار اور اخلاق کے حوالے سے یہ گھرانہ بحمدہٖ تعالیٰ مثالی ہے۔اللّٰہ کریم اپنی خاص رحمتوں سے انھیں نوازے اور ہر طرح اپنی پناہ میں رکھے،آمین

حضرت پیر صاحب ایک خاص وضع کا ہار بنا کر لائے تھے۔کار پر،گھر پر جگہ جگہ میرے نام کے استقبالیہ پوسٹر آویزاں کیے ہوئے تھے، بھائی ہاشم منصور کے فرزند،تنویر منصور بھی اپنی تعلیم کے لیے کیپ ٹاؤن میں ہیں۔میری وجہ سے حضرت پیر صاحب نے اس نوجوان کو گھر کا فرد بنایا ہوا ہے اور حد درجہ شفقت فرماتے ہیں۔اپنی قیام گاہ پر حضرت پیر صاحب نے استقبالیہ پروگرام رکھا ہوا تھا، کیپ ٹاؤن کی نمایاں شخصیات جمع تھیں ،نصف شب تک یہ پروگرام جاری رہا۔میرے خطاب کے بعد دیر تک نشست رہی،صبح سب کو کام پر جانا تھا لیکن کوئی بھی تھکن یا نیند محسوس نہیں کررہا تھا۔تین بجے تک محفل جمی رہی۔کیپ ٹاؤن جب بھی آتا تھا دو بزرگ شخصیات کا آمد سے روانگی تک ساتھ ملتا تھا،حضرت مولانا امام احمد کرجیکر اور امام بابو(مولانا صوفی عبد اللطیف صاحب)۔امام کرجیکر چار برس پہلے اس جہان فانی سے رخصت ہوگئے تھے جب کہ امام بابو کا کچھ ہی دن پہلے وصال ہوا۔اگلی صبح ان کے ہاں تعزیت وفاتحہ خوانی کے لیے گیا۔حضرت پیر صاحب مجھے مور بہ جماعت کے دو بڑے احباب کی مزاج پرسی کے لیے بھی لے گئے۔ایک مزار شریف پر بھی حاضری دی۔حضرت پیر صاحب کے ایک فرزند ڈاکٹر ہیں،وہ ہر بار کیپ ٹاؤن آمد پر میرا چیک اَپ ضرور کرتے ہیں اور مفید مشورے دیتے ہیں۔سید احمد حکیم صاحب بھی کیپ ٹاؤن کی شخصیات میں نمایاں ہیں۔1993ء میں وہ بھی میدان عرفات میں ہمارے خیمے میں ساتھ تھے۔ان کے پاس جنوبی افریکا آنے والے علماء ومشائخ کی یادگار تصویریں محفوظ ہیں۔وہ روانی سے عمدہ اردو بولتے ہیں اور بدمذہبوں کو اپنی عقلی دلیلوں ہی سے خاموش

کر دیتے ہیں۔اس رات وہ بھی ملنے آئے۔اقبال روشن صاحب وہاں نعت خوانوں کے میز بان ہوتے ہیں وہ بھی موجود تھے۔ علی الصبح جوہانس برگ میری واپسی تھی لیکن شب بھر محفل جمی، صبح فجر کے بعد ایرپورٹ کے لیے روانہ ہوئے۔جوہانس برگ میں حاجی عبدالحق منصور صاحب سے وعدہ تھا کہ ایرپورٹ سے سیدھا ان کے ہاں آؤں گا۔مولانا حافظ محمد اسمٰعیل ہزاروی میرے ہمراہ تھے۔مسلسل بےخوابی نے مجھے نڈھال کر رکھا تھا لیکن محبت والوں کو مایوس کرنا زیادہ دشوار تھا۔شام کو ہم لوڈیم پہنچے۔مولانا عبدالوہاب ڈُو کے وہاں ''صوت الاسلام'' اخبار کے مدیر ہیں اور اب ایک نئی ذمہ داری نبھا رہے ہیں۔حلال وحرام اشیاء کی فہرست بنانے میں ان سے میں نے مدد چاہی تھی، وہ ایک دوست کو ساتھ لائے۔اس دوست کی اہلیہ نومسلم خاتون ہیں اور تحقیق ومطالعہ سے شغف رکھتی ہیں، دیر تک ان لوگوں سے اہم گفتگو ہوتی رہی۔مولانا قاری احمد رضا صاحب جام جودھ پوری بھی اپنے فرزند نسبتی کے ساتھ تشریف لائے۔ان کے بزرگ حضرت مولانا محمود جان صاحب، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے خلیفہ مجاز تھے۔اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی کی پہلی منظوم سوانح بنام ''ذکرِ رضا'' لکھنے کا اعزاز انھیں حاصل ہے۔''ذکر رضا'' کا ایک نسخہ میری فرمائش پر انھوں نے مجھے دیا اور اپنی یادداشتیں سناتے رہے۔اگلی صبح جمعہ کو مجھے زم باب وے کے لیے روانہ ہونا تھا، زم باب وے کے لیے یہ میرا تیسرا سفر تھا، دوسری مرتبہ زم باب وے کے سفر کی مکمل رُوداد پہلے ہی تحریر کر چکا ہوں۔محترم منصور رضا صاحب مولانا قاری احمد رضا کے فرزند ہیں اور ہر سال زم باب وے میں بڑے اہتمام سے عرس رضوی محمودی منعقد کرتے ہیں۔ہم نے جمعہ کی نماز ہرارے شہر کی مدینہ مسجد میں ادا کی۔حاجی محمد حنیف برکاتی ہرارے میں موجود نہیں تھے۔ان کے فرزندان سے پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی۔جمعہ کے بعد جناب منصور رضا کے ہاں ظہرانے میں بہت لوگ آئے۔سبھی چہرے شناسا تھے۔دورا تیں مدینہ مسجد میں محرم کے حوالے سے بیان ہوا۔

پاکستانی سفارت خانے کے جناب سید اصغر علی شاہ نے محترم الحاج بشیر حسین ناظم کے فرزند سے بھی متعارف کروایا ،اس ملک میں ان سے اچانک ملاقات باعثِ مسرت ہوئی۔جناب غلام نبی کے ہاں ظہرانے میں فیروز گراچ صاحب ایڈوکیٹ، میرے والدگرامی علیہ الرحمہ کی باتیں فرمائش کر کے سنتے رہے، ہفتے کی شب جلسے کے بعد جناب محمد سلیمان میوٹو کے ہاں طعام کا اہتمام تھا۔مولانا امتیاز صاحب بھی وہاں تھے، یہ بھی مولانا قاری احمد رضا کے فرزند ہیں، ان کے بھائی عسکری صاحب اور بہنوئی مغیث صاحب دونوں دن میرے ساتھ رہے اور ہرارے کی سیر بھی کراتے رہے، وہ مجھے ایک ایسی گفٹ شاپ میں بھی لے گئے جہاں چھوٹی چھوٹی عمدہ چیزیں ملتی ہیں۔زم باب وے میں اِن دنوں ایک امریکی ڈالر کے بدلے پانچ ہزار زِم ڈالر ملتے ہیں۔مغیث صاحب نے چمڑے کی جو چپل پہنی ہوئی تھی ان سے پوچھا کہ یہ کہاں سے لی؟ تو وہ بتا رہے تھے کہ ہرارے ہی سے ساڑھے تین لاکھ زم ڈالر میں خریدی تھی۔وہاں کی کرنسی کے مطابق دیکھا جائے تو لاکھوں کروڑوں کی بات ہوتی ہے۔مولانا امتیاز صاحب اپنے تحریری کام سے آگاہ کرتے رہے، مجھے کچھ اندازہ ہوا کہ وہ دلچسپی اور انہماک سے تحریر میں شغف رکھیں تو انگریزی میں عمدہ کتابیں یادگار بنا سکتے ہیں۔ہفتے کی شب ان تینوں بھائیوں سے دیر تک اہم باتیں ہوئیں۔صبح نماز فجر ادا کرتے ہی ایرپورٹ پہنچے۔سات بجے پرواز کی روانگی تھی اور دس بجے مجھے لوڈیم میں ایک اجتماع میں شرکت کرنی تھی۔یہ جنوبی افریکا کے اس سفر میں آخری جلسہ تھا۔جوہانس برگ ایرپورٹ پر حضرت مفتی صاحب میرے استقبال کو موجود تھے

،انہوں نے بتایا کہ گزشتہ شب برطانیا سے مولانا محمد بوستان القادری تشریف لائے ہیں۔لوڈیم میں آج دھوپ کچھ تیز تھی ۔سڑک پر شامیانہ لگا کر اجتماع ہورہا تھا ،حضرات وخواتین کی بڑی تعداد موجود تھی ،مولانا بوستان القادری مہمان خصوصی تھے۔ظہر تک میرا خطاب ہوا اورنماز کے بعد طعام کا سلسلہ رہا۔مولانا بوستان میری قیام گاہ پرتشریف لائے اورضخیم کتاب ''حیات بوستان کےگل ہائے رنگارنگ'' پیش کی۔

مولانا بوستان القادری کے ایک عقیدت مند نے اسے مرتب کیا ہے اوراس کتاب میں مولانا بوستان القادری کی تحریریں ،ان کے حالات وخدمات اوران کے بارے میں لوگوں کے تاثرات کوجمع کیا ہے۔مرتب نے تدوین میں کچھ بے احتیاطی بھی کی ہے اور وہ کچھ بھی شامل کردیا ہے جونہیں کرنا چاہیے تھا۔مولانابذات خودایک تاریخ ہیں ،ان کی یہ کتاب اس تاریخ کی داستان ہے۔مولانا بوستان صاحب دلچسپ آدمی ہیں اور ہمہ وقت جانے کتنے امور میں مشغول رہتے ہیں۔حضرت مفتی صاحب کے دارالعلوم میں وہ اپنے بھتیجے کو داخل کروانے آئے تھے ،حضرت مفتی محمد اکبر ہزاروری صاحب بلاشبہ قابل مبارک باد ہیں کہ ان کی محنت مقبول ہے ۔پری ٹوریا مسلم ٹرسٹ کے سربراہ الحاج ابراھیم کریم سے مولانا بوستان صاحب کا تعارف کروایا۔دن بھرملاقاتوں کا سلسلہ رہا کیوں کہ پیرکی شام میری واپسی تھی اورشام کوحضرت مفتی صاحب کے ہاں الوداعی عشائیہ تھا۔جناب نذیرنورمحمد بھڈیا،مولانا قاری احمد رضا اور مولانا عبدالوہاب ڈوکے سے لوڈیم میں اہل سنت کے امور ومعاملات پرتفصیلی گفتگو ہوئی۔عشائیے کے بعد بھی نصف شب تک دارالعلوم اور دیگر معاملات پرتبادلہ خیال ہوتا رہا۔حضرت مفتی صاحب کشادہ دلی سے میرے خطابات کےفوائداورمیری خدمات پرکلمات تحسین فرماتے ہوئے ہدیۂ تشکر پیش فرماتے رہے۔جنوبی افریکا میں حضرت مفتی صاحب کی موجودی تمام اہل سنت کے لیے باعثِ افتخار ہے،انہوں نے مختصر وقت میں وہاں گراں قدر قابل ذکر خدمات انجام دی ہیں اوران کی ذات کتنے فتنوں کا سدّ باب کیے ہوئے ہے۔اللّٰہ کریم ان کی مدد فرمائے اوران سے ملت اسلامیہ کونفع کثیر پہنچائے۔مولانا بوستان القادری،حضرت مفتی محمد اکبر ہزاروی،الحاج ابراہیم کریم بھی ایر پورٹ پرالوداع کہنے آئے۔منصور فیملی کے متعدد افراد بھی موجود تھے ،مولانا حافظ محمد اسمعیل ہزاروی میرے ساتھ سفر کررہے تھےانھیں پاکستان جانا تھا،دبئ تک وہ ہم سفر رہے۔

جناب مقصود احمد تبسم نعت گوشاعر ہیں ،ان سے میرا تعارف نعت رنگ کے مدیر ومرتب جناب سید صبیح الدین صبیح رحمانی کےتوسط ہواجب کہ وہ مجھے پہلے سے جانتے تھے۔ان سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب میں ARYٹی وی چینل کی طرف سے یوم عرفہ کی خصوصی ٹرانس مشن کے لیے دبئ گیا تھا۔ان سےفون پرمسلسل رابطہ رہا۔دبئ میں مولانا حافظ محمد اسمعیل ہزاروی اور مجھےایک ہی ہوٹل میں کمرے ملے۔مقصود صاحب وہیں آئے اورکھانا ساتھ لائے۔

مقصود صاحب نے مولانا حافظ محمد اسمعیل ہزاروی کو دبئ کی شاہ راہیں اورعمارتیں دکھائیں۔بتایا جاتا ہے کہ دبئ کے سمندر کی ایک عمارت میں دنیا کی سب سے بڑی صلیب لگائی گئی ہے ۔دبئ میں ایک سڑک سمندر کے نیچے بنائی گئی ہے ۔مغرب تک دبئ کی سیر کے بعد مولانا ہزاروی اپنی پرواز کے لیے روانہ ہوگئے ۔مجھے اس شب محمود خان صاحب کے ہاں ہونے والی محفل میں شرکت کرنی تھی ۔دعوت اسلامی کے جناب عرفان موسیٰ بھی شریکِ محفل تھے۔یہ محفل شب تین بجے تک

جاری رہی۔ مقصود صاحب اپنے ہاں شارجہ بھی لے جانا چاہتے تھے لیکن فجر تک واپسی مشکل تھی۔ اگلی صبح مَیں کراچی چلا آیا۔ کراچی میں ہانگل شریف سے اشتہار اور ایک کتاب ''سوانح مقبول'' پہنچ چکی تھی۔ مختصر قیام کے بعد مَیں نے ممبئی کے لیے پھر براستہ دبئی سفر کیا کیوں کہ کراچی سے ممبئی کی ہفتے میں صرف دو پروازیں تھیں۔ مجھے جمعہ 25 مارچ کی صبح ہانگل شریف پہنچنا تھا، پی آئی اے کی پرواز سے سفر میں دیر ہوتی، بدھ کی صبح کراچی سے دبئی پہنچا۔ دبئی ایر پورٹ پر مولانا حافظ محمد اسمٰعیل ہزاروی سے پھر ملاقات ہوئی وہ جنوبی افریکا واپس جا رہے تھے۔ صوفی محمد اقبال صاحب شیفیلڈ والے کراچی سے دبئی تک ساتھ رہے، ان کی پرواز مانچسٹر کے لیے تھی۔ دبئی ایر پورٹ پر تاج الشریعہ حضرت مولانا مفتی محمد اختر رضا خاں صاحب ازہری میاں قبلہ اور محدث کبیر مولانا ضیاء المصطفیٰ اعظمی سے ملاقات ہوئی، وہ زم باب وے کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔ مجھے صبح 7 بجے سے دو پہر ڈیڑھ بجے تک دبئی ایر پورٹ ٹھہرنا پڑا۔ ڈیڑھ بجے کی پرواز سے ممبئی روانہ ہوا اور شام پونے سات بجے پرواز ممبئی پہنچی۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ مولانا محمد سعید نوری مجھے ایر پورٹ کے لاؤنج میں ملیں گے لیکن وہ نظر نہیں آئے۔ دبئی ایر پورٹ کے مقابلے میں ممبئی ایر پورٹ بہت ہی خستہ حال لگتا ہے۔ ایر پورٹ کے مراحل گزر کر باہر آیا تو جناب محمد زبیر قادری اپنے احباب کے ساتھ میرے منتظر تھے، پھولوں کے بڑے بڑے ہار مجھے پہنا کر انھوں نے تکبیر و رسالت کے نعرے بلند کیے، اس منظر نے وہاں موجود ہجوم کی توجہ میری طرف کر دی۔ مولانا محمد سعید نوری کا فون آیا کہ وہ ایک سرکاری میٹنگ کی وجہ سے نہیں پہنچ سکے۔ محمد زبیر قادری اور ان کے ساتھی اسحٰق قادری صاحب کے موبائل فون مسلسل بج رہے تھے۔

۱۹۹۲ کے بعد ممبئی آیا تھا۔ اس شہر نے مجھے خود سے کبھی مانوس نہیں کیا، ایر پورٹ سے شہر تک کے راستے میں بہت سی خالی زمین آباد ہو چکی ہے، ٹریفک کی بدحالی کچھ زیادہ ہوگئی ہے البتہ پہلے صرف دو تین طرح کی کاریں تھیں اب کئی طرح کی گاڑیاں نظر آتی ہیں، کچھ پُل بھی نئے تعمیر ہوئے ہیں، بتایا گیا کہ شہر میں بنائے گئے فلائی اوورز سے بارشوں میں پانی خوب ٹپکتا ہے۔ صفائی ستھرائی یہاں عمارتوں کے اندر تو نظر آجاتی ہے لیکن سڑکوں، بستیوں کا کچھ نہ پوچھئے۔ محمد زبیر قادری صاحب نے اپنی سہولت کے مطابق ایک ہوٹل میں میرے قیام کا انتظام کیا ہوا تھا۔ یہ ہوٹل ان کی قیام گاہ سے قریب بھی تھا اور اس کے مالک محمد حنیف صاحب ان کے ہم مسلک تھے۔ راستے میں ممبئی میں بولی جانے والی اردو کے لہجے میں جملے نیون سائن اور ہورڈنگز پر کندہ تھے اور وہاں کی فلم انڈسٹری کے اداکار شاہ رخ خاں کی تصویریں جگہ جگہ لگی تھیں۔ بتایا گیا کہ یہ وہاں کا بہت پسند کیا جانے والا مسلمان اداکار ہے لیکن اس نے ہندو لڑکی سے شادی کی ہوئی ہے اور یہ چلن وہاں اب پھیلتا جا رہا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا کہ عامر خاں ایک اور فلمی اداکار ہے جس کو بدعقیدہ افراد نے گھیر کر اپنا ایک مرکز قائم کر لیا ہے۔ ہوٹل پہنچنے تک مجھے بہت کچھ بتایا گیا، ایک گھنٹا گزر چکا تھا۔ کمرے میں پہنچتے ہی مغرب کی نماز ادا کی۔ تھکن اجازت نہیں دیتی تھی کہ آرام کے سوا کوئی دوسرا کام کروں، محمد زبیر صاحب نے بتایا کہ ان کی ''تحریکِ فکرِ رضا'' کے ایک ساتھی جناب صابر شیخ نے اپنے ہاں عشائیے کا اہتمام کیا ہوا ہے، وہاں جانا ہے۔ مَیں نے اپنے سوٹ کیس سے کتابیں اور کیسٹیں نکالیں اور محمد زبیر صاحب کو نعت رنگ کا نیا شمارہ بھی پیش کیا جو سید صبیح رحمانی صاحب نے ان کے لیے مجھے دیا تھا۔ ہوٹل سے نکلے اور ناگ پاڑا کے علاقے میں فائرنگ کی آواز سنی تو مَیں چونکا، مجھے بتایا گیا کہ یہ بھارتی کرکٹ ٹیم کی فتح پر اظہار ہو رہا ہے، پہلے کبھی پاکستان کی فتح پر ہوتا تھا تو تصادم کی

نوبت آجاتی تھی۔عشائیے میں مولانا مفتی اشرف رضا صاحب سے ملاقات ہوئی وہ اپنے ساتھ میرے والدگرامی علیہ الرحمہ کی کتاب ''تعارف علمائے دیوبند'' لائے جوانہوں نے پاکستانی مطبوعہ کتاب کا عکس لے کر خود طبع کروائی تھی۔قدیم عمارت کی بالائی منزل پر رہائش پذیر اس گھرانے نے بہت محبت وعقیدت سے طعام کا اہتمام کیا تھا۔عشائیے سے فارغ ہوئے تو محمد زبیر صاحب نے بتایا کہ ان کی تحریک فکر رضا کا دفتر چند قدم ہی کے فاصلے پر ہے۔ پاپیادہ وہاں جانا پسند کیا۔اس علاقے کا رہن سہن اور زندگی کا چلن دیکھ کر جی چاہا کہ اپنے ملک کی جواں نسل کو ایک بار یہ سب کچھ دیکھنے پر مجبور کروں تا کہ وہ اپنے ملک میں حاصل سہولتوں پر سجدۂ شکر ادا کریں۔

محترم محمد زبیر قادری چھریرے بدن کے مختصر سے نوجوان ہیں۔کچھ برس پہلے ان سے میرا تعارف حضرت پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی کے توسط سے ہُوا۔فاروقی صاحب نے مجھے سہ ماہی ''افکار رضا''،ممبئ کا ایک شمارہ بھجوایا تھا۔یہ شمارہ مَیں نے پہلی مرتبہ دیکھا،دوسری مرتبہ شمارہ آیا تو محمد زبیر قادری صاحب نے اس میں اپنے سفرِ پاکستان کی رُوداد لکھی تھی اور اس میں میرا ذکر میری تصانیف کے حوالے سے کیا۔ان سے پہلی ملاقات محترم ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے والد گرامی حضرت مفتی محمد مظہر اللّٰہ صاحب دہلوی کے عرس شریف کی محفل میں ہوئی۔وہاں اپنے خطاب کے بعد میں دوسری جگہ خطاب کے لئے جانے سے پہلے کتابوں کے اسٹال پر کھڑا تھا کہ محمد زبیر صاحب نے مصافحہ کرتے ہوئے اپنا نام بتایا۔یہ مختصر سی سر راہے والی ملاقات ان سے ہوئی اور پھر ان سے بذریعہ ڈاک رابطہ رہا۔وہ تیسری مرتبہ پاکستان تشریف لائے تو ان سے تفصیلی گفتگو ہوئی۔راسخ العقیدہ اور باصلاحیت محمد زبیر قادری مسلکِ حق اہلِ سنّت و جماعت کے لئے درد اور جذبہ رکھنے والے صالح نوجوان ہیں اور مختصر وقت میں انہوں نے قابلِ ذکر کام کیے ہیں۔انہیں مخلص ساتھی میسر ہیں اور سب ہی نام سے بہت زیادہ کام کی لگن رکھتے ہیں۔ملازمت پیشہ یہ افراد اپنی نیند آرام قربان کر کے دینی کام کے لئے وقت دیتے ہیں اور محنت کرتے ہیں۔محمد زبیر صاحب ہی کی حوصلہ افزائی کے لئے مَیں نے اس سفر کی دعوت قبول کی تھی ورنہ حضرت مولانا منان رضا صاحب منانی میاں نے اس سال بریلی شریف میں مرکزی عرس رضوی میں شرکت کے لئے بار بار فرمایا تھا کہ ان کے فرزند ارجمند مولانا عمران رضا سمنانی میاں کی اس سال دستار بندی تھی اور وہ اس موقع پر میری شمولیت چاہتے تھے،ارادہ یہی تھا کہ اس موقع پر جاؤں گا تو وہاں سب ہی سے ملاقات ہو جائے گی اور اس سفر میں کچھ دن زیادہ مل جاتے۔

محمد زبیر قادری صاحب نے اپنے دفتر میں خاصی کتابیں بھی جمع کی ہیں،مختصر سی جگہ پر وہ تبلیغ و تدریس اور نشر و اشاعت کا بہت سا کام کر لیتے ہیں،وہاں کچھ دیر بیٹھے۔ہانگل شریف کے میزبان مفتی محمد ابراہیم صاحب کا فون آیا وہ فرما رہے تھے کہ وہ ہمیں ہانگل جانے والی ٹرین میں گوآ کے مقام پر ملیں گے۔ماہ نامہ جہانِ رضا لاہور کا تازہ شمارہ اسی دن زبیر میاں کو ملا تھا،انہوں نے بتایا کہ جہانِ رضا کو دیکھ کے ہی اسی طرز و انداز پر ''افکارِ رضا'' کا اجراء کیا گیا تھا۔محمد زبیر قادری صاحب کہہ رہے تھے کہ پیرزادہ فاروقی صاحب ''رضویات'' سے زیادہ دوسری تحریریں پیش کرتے ہیں۔ان سے عرض کی کہ فاروقی صاحب نے جہانِ رضا کے ذریعے ایک بڑے حلقے کو باہم مربوط کیا ہے اور اعلی حضرت فاضل بریلوی کے نصب العین کو پھیلانے والوں ہی کے تذکار زیادہ تر وہ جہانِ رضا میں شامل کرتے ہیں۔''حیات اعلی حضرت'' کی اشاعت کا ذکر گفتگو میں آیا

تو میں نے اس کتاب کے حوالے سے اپنے تحفظات کے پیشِ نظر صرف اتنا کہا کہ اس کتاب کا تمام متن مؤلف کے اصل مسودے کے مطابق یقینی ہونا اگر ثابت ہے تو بھی اس کے مندرجات پر عمیق نظرِ ثانی ضروری تھی۔

تحریکِ فکرِ رضا کے دفتر سے ہم واپس ہوٹل آئے تو وہاں کمرے میں ہجوم ہو گیا۔ دعوتِ اسلامی کے نگراں شبیر صاحب اپنے رفقاء سمیت آئے، کچھ دیر بعد مولانا محمد سعید نوری تشریف لائے۔ رات ڈھائی بجے تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ محمد زبیر صاحب سے بھی عرض کی کہ وہ کچھ آرام کر لیں تاکہ صبح تازہ دم ہوں۔ مجھے گھر سے روانہ ہوئے چوبیس گھنٹے گزر چکے تھے اور جاگتے ہوئے دو دن بیت چکے تھے۔ فجر کے بعد کچھ آرام کیا اور دس بجے صبح سے پھر زندگی کی ہماہمی شروع ہو گئی۔

بھارت کے لئے یہ میرا پہلا ویزا تھا جس میں پولیس رپورٹنگ کی پابندی تھی، اس سے قبل تمام ویزے اس سے مستثنیٰ تھے، محمد زبیر صاحب نے مولانا محمد سعید نوری کے تعاون سے ممبئی آمد اور ہانگل شریف روانگی کا اندراج کروایا۔ ممبئی سینٹر سے ہم باندرہ کے علاقے کے لئے روانہ ہوئے اور جناب محمد فاروق درویش کے ہاں پہنچے۔ بلند و بالا عمارتوں میں کوٹھی نما یہ عمارت منفرد نظر آتی ہے۔ فاروق صاحب سے یہ میری پہلی ملاقات تھی، ان کے والد صاحب کراچی شہر میں میرے پڑوس میں مقیم تھے۔ فاروق صاحب کا نام چار پانچ برس پہلے ہی سننے میں آیا، مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ وہ میرے والدِ گرامی علیہ الرحمۃ کی تقاریر کی متعدد کیسٹیں محفوظ کئے ہوئے ہیں اور انہیں پھیلاتے ہیں۔ فاروق صاحب نے بتایا کہ وہ 90 کیسٹیں مدینہ منورہ سے لائے تھے، انہیں یہ کیسٹیں وہاں جناب عبدالستار عیسیٰ رضوی نے فراہم کی تھیں۔ فاروق صاحب کے ہم زلف حاجی عبدالمجید نوری صاحب بھی ملاقات میں موجود تھے، وہ حضرت مفتیِ اعظم سے اور فاروق صاحب حضرت ازہری میاں سے بیعت ہیں۔ ان میں یہ ایمانی رُوحانی انقلاب کچھ برس پہلے ہی آیا ہے اور خوب آیا ہے۔ حضرت امینِ ملت ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی سے بھی فاروق صاحب کی خاصی وابستگی ہے۔ فاروق صاحب نے مجھ سے میرا پروگرام پوچھا اور کہا کہ پولیس رپورٹنگ اور اجمیر شریف کے سفر کی بکنگ کے لئے وہ اپنے آفس کے افراد کی ڈیوٹی لگا دیں گے اور مجھے کوئی پریشانی نہیں ہونے دیں گے۔ گھر ہی کے احاطے میں انہوں نے مسجد البیت بنائی ہوئی ہے۔ ظہر کی نماز وہاں ادا کی۔ وہاں تدریس کا کام بھی ہوتا ہے۔ فاروق صاحب کے خاندان کے تمام افراد اسی احاطے میں رہائش پذیر ہیں۔ خانقاہوں کے حوالے سے بھی فاروق صاحب خاصی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ظہر کے بعد حاجی عبدالمجید نوری صاحب اس عمارت میں لے گئے جہاں انہوں نے علمائے اہلِ سنّت کی تحریریں اور تقریریں جمع کی ہوئی ہیں۔ آڈیو کیسٹوں اور سی ڈیز سے الماریاں پُر تھیں اور کتابوں کا ذخیرہ الگ تھا۔ برطانیہ کے شہر مانچسٹر میں مقیم حضرت مولانا قمر الزماں صاحب اعظمی کی تقاریر کی سی ڈیز اس وقت تیار ہو رہی تھیں۔ مجھے انہوں نے اپنے پاس موجود تقریروں کی فہرست دکھائی۔ میرے پاس اس وقت اپنے والدِ گرامی علیہ الرحمۃ کے پانچ خطابات کی سی ڈیز تھیں اور میری تقاریر کی خاصی تعداد میں تھیں اور کتابوں کا مکمل سیٹ بھی تھا، وہ انہیں پیش کیا اور وعدہ کیا کہ مزید کیسٹیں انہیں بھجواؤں گا۔ حاجی صاحب نے بتایا کہ میری وڈیو کیسیٹ ''آخر اختلاف کیوں'' نے انہیں بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ حاجی صاحب نے بتایا کہ یہ تمام کتابیں کیسٹیں دنیا بھر سے رابطہ کرنے والوں کو وہ مفت فراہم کرتے ہیں۔ فاروق صاحب کی یہ خدمت بلاشبہ قابلِ ذکر اور لائقِ ستائش ہے، اللّٰہ کریم ان کے اس کام میں برکت اور انہیں اس کا اجر عطا فرمائے۔ آمین

دو پہر کا کھانا حاجی عبدالمجید نوری صاحب نے اپنے دفتر میں کھلایا۔ان کے ایک معمر کارکن روزانہ ٹی وی میں مجھے دیکھتے سنتے ہیں،انہوں نے میرے متعدد پروگرام ٹی وی چینلز پر دیکھے ہوئے تھے،وہ بتا رہے تھے کہ کیبل آپریٹرز یہاں مسلم آبادی کی کثرت والے علاقوں میں یہ چینلز دکھاتے ہیں، ہر علاقے میں نہیں دکھاتے۔اسی دفتر میں جناب عبداللطیف سے ملاقات ہوئی، یہ خود کو حضرت ازہری میاں قبلہ کا ڈرائیور کہتے ہیں۔حضرت جب کبھی ممبئی تشریف لاتے ہیں انہی کے ہاں قیام فرماتے ہیں اور انہی کے ساتھ محافل میں جاتے ہیں۔عبداللطیف صاحب اصرار کر کے اپنے گھر لے گئے،ان کی ہمشیرہ محترمہ نے انڈیا کے مشہور آم ''الفانسو'' (رتنا گیری کے ہاپوس) کا مِلک شیک پلایا،اس آم کا ذکر بہت سنا تھا لیکن ذائقہ پہلی بار معلوم ہُوا۔

محمد زبیر قادری صاحب نے بتایا کہ ہانگل جانے کے لئے انہوں نے جس ریل گاڑی میں نشستیں محفوظ کروائی ہیں،وہ جس ریلوے اسٹیشن سے روانہ ہوتی ہے وہ ہوٹل سے ڈیڑھ دو گھنٹے کی مسافت پر ہے اور باندرہ سے ہوٹل تک بھی ایک گھنٹا لگے گا۔طے پایا کہ ماہیم کے علاقے میں حضرت مخدوم فقیہ کوکن کے مزار شریف پر سلام پیش کرتے ہوئے چلتے ہیں۔جمعرات کی وجہ سے آج مزار شریف پر بہت زیادہ ہجوم تھا۔اب نماز باجماعت کے وقت مزار شریف بند کر دیا جاتا ہے۔خواتین کو وہاں ابھی تمام مزارات کے اندر جانے سے روکا نہیں جاسکا اور وہاں بالخصوص بڑے شہروں میں خواتین میں پردہ بھی کم ہی ہے۔مزار شریف کے احاطے میں بھیڑ میں ادب واحترام کے حوالے سے بھی زائرین احتیاط نہیں کر پاتے۔سلام کا ہدیہ پیش کر کے چلے تو راستے ہی میں حضرت مولانا سلطان احمد المعروف مولانا بابا علیہ الرحمۃ کا مزار شریف آیا۔وہاں مزار شریف کے احاطے میں بھی خاصا ہجوم تھا۔حضرت کی ایک بڑی تصویر بھی مزار شریف میں دیوار پر آویزاں کی ہوئی ہے۔حضرت مولانا بابا کی درگاہ کے حوالے سے یہ مشہور بات سبھی وابستگان جانتے ہوں گے کہ اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب مجدد بریلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ ان سے ملنے آئے تھے،حضرت مولانا بابا نے فرمایا، چائے، کافی، شربت کیا پیئیں گے؟اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ آپ کے منھ سے تینوں چیزوں کا نام نکلا ہے، تینوں ہی پلا دیں،ان دونوں بزرگوں کی اس یادگار کا تسلسل جاری ہے۔حضرت مولانا بابا صاحب کے ہاں اس دن سے یہی تینوں چیزیں ملا کر یہ انوکھا مشروب زائرین کو پلایا جاتا ہے۔

شام ہو جائے تو ممبئی میں گاڑیوں کی لائٹس ان شاہ راہوں پر پوری روشن نہیں کی جاتیں جہاں بجلی کے کھمبوں پر بلب روشن ہوتے ہیں، جہاں سڑکوں پر روشنی نہیں وہاں گاڑی کی بتیاں روشن کی جاتی ہیں۔ممبئی کی ٹریفک شاید وہیں کے ڈرائیورز کا کھیل ہے۔ہوٹل پہنچے تو مولانا غلام جابر شمس تشریف لائے، وہ اپنے کسی ادارے کا افتتاح میرے ہاتھوں کرانا چاہتے تھے، وہ اپنی تحریری کارکردگی کی تفصیلات سے آگاہ فرماتے رہے۔وہ کچھ عرصہ قبل کراچی بھی آئے تھے۔ان سے کہا کہ وہ زبیر صاحب سے کوئی وقت طے کر لیں تا کہ ان کے ادارے میں جانا ہو سکے۔کچھ لمحوں بعد پیر سید غوث کمال صاحب تشریف لے آئے، جو ہانس برگ میں انہی کے ہاں بھارتی ویزا فارم پُر کیے تھے وہ بھی ہانگل جا رہے تھے۔مختصر سامان لے کر اسی وقت پَین وَیل کے ریلوے اسٹیشن کے لئے روانہ ہو گئے۔یہ مسافت تقریباً دو گھنٹے میں طے ہوئی۔ جناب اسحٰق برکاتی اور جناب محمد زبیر قادری ممبئی کی اس نئی آبادی کے بارے میں میری معلومات بڑھا رہے تھے۔اس علاقے کو منصوبہ بندی کے تحت تعمیر کیا گیا ہے اور

پرانی ممبئی کی طرح گنجان نہیں بنایا گیا لیکن اونچی اونچی یہ عمارتیں بتا رہی تھیں کہ کچھ دیر کی بات ہے، یہاں بھی ہجوم دیدنی ہوگا۔ بتایا گیا کہ ممبئی میں ملازمت کے لئے بہت سے لوگ چار گھنٹے کی مسافت کے علاقوں سے بھی روزانہ صبح آتے ہیں اور شام کو واپس جاتے ہیں۔ مرکزِ شہر میں ٹریفک کا جو احوال تھا، یہاں وہ حال تو نہیں تھا لیکن ٹریفک کہیں کم نہیں ہوئی۔ ریلوے اسٹیشن ہم بیس منٹ پہلے پہنچ گئے۔ ساڑھے دس بجے ٹرین روانہ ہوئی۔ ایر کنڈیشنڈ اس کوچ میں نشستوں کے سامنے دروازے نہیں تھے بلکہ پردے لٹکائے گئے تھے۔ ہر برتھ کے سوار کو ایک تکیہ، تولیا، کمبل اور دو چادروں پر مشتمل بستر فراہم کیا جاتا ہے۔ 1977ء میں پہلی مرتبہ بھارت میں ٹرین سے سفر کیا تھا آج دوسری مرتبہ یہاں ٹرین کا سفر ہو رہا تھا۔ محمد زبیر صاحب بریانی ساتھ لائے تھے۔ بتایا گیا کہ ''انکولا'' کے اسٹیشن پر صبح نو بجے ٹرین پہنچے گی جہاں سے ہانگل تک موٹر گاڑی سے سفر ہوگا۔ صبح فجر کی ساعتیں تھیں کہ ''گوآ'' کے ایک اسٹیشن مڈ گاؤں سے مفتی قاضی محمد ابراہیم صاحب مقبولی اپنے سسر اور ہم زلف کے ہم راہ ٹرین میں سوار ہوئے۔

ان سے بالمشافہ پہلی ملاقات ہو رہی تھی۔ مفتی صاحب نے ہی بتایا کہ ٹرین کے اس راستے میں 84 سرنگیں ہیں۔ ''انکولا'' کے ریلوے اسٹیشن پر ٹرین ایک گھنٹا دیر سے پہنچی، محمد زبیر صاحب بھی پہلی مرتبہ اس طرف آئے تھے۔ انکولا میں خاصی تعداد میں لوگ استقبال کو موجود تھے۔ نعروں کی گونج کا تسلسل وہاں سے لینڈ کروزر جیسی جیپ گاڑی کی روانگی تک رہا۔ فجر میں مفتی صاحب کچھ پھل لے آئے تھے، راستے میں ناریل پانی پیا جو وہاں منرل واٹر سے ارزاں تھا۔ مسلسل بل کھاتی سڑک کے دونوں طرف ہرا بھرا جنگل تھا۔ چھالیا اور ناریل کے درخت نمایاں تھے۔ کیوڑے کی جھاڑی اور صندل کے درخت بھی کہیں کہیں نظر آئے۔ بے خوابی کی وجہ سے مَیں کچھ سست تھا۔ عبدالنبی صاحب جو مجھے جنوبی افریقا مسلسل فون کرتے رہے تھے وہ بھی ساتھ تھے۔ یہ سب کبھی اپنی ''کنڑا'' زبان میں باتیں کرتے اور کبھی اُردو بولتے۔ سِرسی کے علاقے سے آگے بڑھے تو مفتی صاحب نے وہاں کے بدعقیدہ افراد کی سازشوں کا احوال سنایا۔ ہانگل شریف سے کچھ فاصلے پر پہنچے تھے کہ موٹر سائکلوں پر سوار نوجوانوں کے دستے استقبال کو کھڑے تھے، وہ سب گاڑی کے اطراف ہوگئے اور نعرے بلند کرتے ہوئے یہ جلوس ہانگل شریف داخل ہُوا۔ جمعہ کی نماز کا وقت ہو چکا تھا، تازہ وضو کر کے ہم مسجد میں داخل ہوئے۔ مفتی صاحب کے والد محترم حضرت الحاج مولانا قاضی محمد اسمٰعیل مقبولی سے ملاقات ہوئی۔ خطبہ و نماز کے لئے انہوں نے مجھ سے اصرار کیا، سفر سے آ کر کپڑے بدلنے کی مہلت بھی نہیں ملی تھی، احتیاط کے پیش نظر میں نے معذرت کی۔ مفتی صاحب نے نماز پڑھائی۔ یہاں کے لوگ مصافحہ کرتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ سے دوسرے کا دایاں ہاتھ اور بائیں ہاتھ سے دوسرے کا بایاں ہاتھ تھامتے ہیں۔

مصافحے کے لمبے وقفے کے بعد اس ہستی کے مزار شریف پر آئے جس کے عرس شریف میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ بتایا گیا کہ اس ہستی کو ''کشمیری اعلیٰ حضرت'' اور ''شاہ کشمیری'' کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ نام ان کا حضرت علامہ مولانا سید مقبول احمد شاہ کشمیری فاضلِ ازہر علیہ الرحمہ ہے۔ شاہ کشمیری نے یہاں ہانگل شریف میں انیس (۱۹) برس گزارے اور یہیں وصال فرمایا۔

صاحبِ عرس کا خاندانی تعلق ملک شام سے تھا، سن ولادت ۱۳۱۲ ہجری اور مقام ولادت ضلع بارہ مولا کشمیر بتایا گیا ہے

۔چار پانچ برس کی عمر سے جوانی کے دور تک متعدد اساتذہ سے تحصیل علم میں مشغول رہے اور حصول علم کے لئے جامعہ ازہر تک کے سفر کیے۔''سوانح مقبول'' میں تفصیل درج ہے۔اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ سے انہیں شرف ملاقات حاصل ہے۔ حضرت مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان نوری علیہ الرحمہ کا ان کے لئے یہ فرمان ''سوانح مقبول'' کے ص ۵۸ پر درج ہے، فرمایا:'' یہ وہ ولایت والے آفتاب و مہتاب ہیں جن کی نگاہ مہتابیت جس پر پڑ جائے وہ کرامت کا دھنی بن جائے......'' اسی کتاب میں ہے کہ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمۃ کے لئے شاہ کشمیری فرمایا کرتے کہ:'' وہ دنیائے علم کے عظیم ہمالہ تھے، کہاں کس میں یہ بساط کہ ان کے علم کے معیار کی تہہ تک پہنچے......فرمایا، اس زمانہ کے علماء اگر ان کے نعتیہ دیوان کے ایک دو شعر یاد کرلیں اور اس کی تشریح کردیں تو یہی سب سے بڑا وعظ ہے......فرمایا:'' اگر اعلیٰ حضرت نہ ہوتے تو ہندوستان سے سنیت بے دخل ہوگئی ہوتی، آج یہاں دین وسنیت کا جو بھی اجالا ہے، یہ انہی کا احسان ہے۔'' شاہ کشمیری نے مختلف علاقوں میں تعلیم و تدریس کی خدمات بھی انجام دیں۔میسور کے علاقے ہی میں چودہ برس دینی تبلیغی کام کیا، اکثر جگہ مساجد و مدارس قائم کئے۔شاہ کشمیری نے بدعقیدگی کے رد میں جو نمایاں کام کیے ہیں ان کی تفصیل قابل مطالعہ ہے۔وہ زبردست مناظر بھی تھے اور نڈر مجاہد بھی۔مسلک حق اہلِ سنّت و جماعت کے باب میں انہوں نے عزیمت اور جرأت ہی کا مظاہرہ کیا اور ہانگل شریف میں ان کی خدمات کا فیضان و اثر قابل دید و شنید ہے۔

ہانگل شریف کے حوالے سے ایک اہم بات یہ بھی بتائی گئی ہے کہ گزشتہ 35 برس سے وہاں پیدا ہونے والا کوئی مسلمان نہ تو بدعقیدہ ہوا نہ ہی وہاں کوئی بدعقیدہ دفن ہوا۔وہاں کی غیر مسلم آبادی بھی شاہ کشمیری کی حق گوئی، خداترسی، دریادلی اور نیکی کی معترف ہے۔مسجد کے کنارے مزار شریف کی الگ عمارت ہے اور اسی کے قریب مدرسہ کی عمارت ہے۔شاہ کشمیری کے مزار شریف پر سلام پڑھا گیا، دعا کے بعد ہم مفتی صاحب کے گھر گئے جہاں پُر تکلف طعام کا عمدہ اہتمام تھا۔مفتی صاحب کے والد محترم نے اپنے فرزندان اور احباب سے متعارف کراوایا۔وہاں مختصر نشست کے بعد ہمیں ریسٹ ہاؤس پہنچایا گیا۔ کچھ دیر بستر پر صرف دراز ہونے کا وقت ملا، شام ہی سے خاصا ہجوم ریسٹ ہاؤس میں جمع تھا۔آنے والے بڑی عقیدت و محبت سے ملتے رہے۔ایک اخبار کے نمائندے نے مختصر انٹرویو لیا۔رات کے کھانے کے لئے کسی کے گھر لے جایا گیا جہاں لنگر عام تھا، بطور تبرک کچھ چکھ لیا اور پھر ریسٹ ہاؤس آئے۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ رات بھر جلسہ رہے گا اور آخری خطاب رات دو بجے شروع ہوگا۔رات ایک بجے کے بعد مجھے جلسہ گاہ میں لے جایا گیا۔حد نگاہ تک لوگوں کا ہجوم نظر آ رہا تھا، تاریخی اجتماع تھا۔ مختلف سواریوں پر لوگ جانے کہاں کہاں سے آئے تھے۔اسٹیج پر بھی بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی۔والہانہ استقبال کے بعد دیر تک گل پاشی کا سلسلہ رہا۔ایک ہار موتیوں اور سفید الائچیوں سے بنایا ہوا پہنایا گیا۔عبدالنبی اور مجید صاحب نے بتایا کہ ایک مسلمان خاتون یہ ہار بناتی ہے، اسے حکومت کی طرف سے اس انوکھے ہار بنانے پر انعام اور ایوارڈ بھی دیا گیا ہے۔ یہاں سلیم مرزا صاحب نے خوش الحانی سے منقبت پڑھی۔کراچی کے جناب اویس رضا کا وہاں بہت ذکر ہوتا ہے اور سلیم مرزا کو کرناٹک کا اویس رضا پکارا گیا۔مفتی قاضی ابراہیم صاحب نے میرا تفصیلی تعارف کروایا، مجھے اندازہ ہوگیا کہ یہ تعارف محمد زبیر قادری صاحب نے انہیں فراہم کیا ہے، وہ افکار رضا میں اسے شائع بھی کر چکے ہیں،، پیر سید غوث کمال صاحب نے مختصر خطاب فرمایا

۔حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے ایک قابل شاگرد مولانا انور علی صاحب نے بھی مختصر کلمات فرمائے، رات کے تیسرے پہر میں بھی ہجوم کی اس کثرت نے بہت متاثر کیا۔صبح پانچ بجے تک میرا خطاب جاری رہا۔لوگوں نے بہت محبت سے سنا۔فجر کی اذان سے پہلے سلام پڑھا گیا۔اس کے بعد مصافحہ کے لئے جو یلغار ہوئی اس کی تاب لانا مشکل ہو گیا یہاں تک کہ پولیس کے دستے نے مجھے گھیرے میں لے کر بمشکل گاڑی تک پہنچایا۔ریسٹ ہاؤس تک جانے کتنے لوگ گاڑی کے ساتھ دوڑتے رہے۔ فجر کی نماز ادا کر کے ابھی بستر پر دراز ہی ہوئے تھے کہ ایک صاحب آئے اور آتے ہی کہا، ''اٹھو، اٹھو، چلو ناشتہ کرنے''۔ان کے انداز پر ساتھی تعجب ہی کر رہے تھے کہ انہوں نے اپنا تعارف کروایا۔''مَیں عرس کمیٹی کا خزانچی ہوں۔35 برس سے سب میرے ساتھ ناشتہ کرتے ہیں۔35 سال کا رواج ہے اسے توڑا نہیں جا سکتا۔چلو اٹھو۔''ان سے عرض کی کہ ہمیں مختصر سا ناشتہ یہیں لا دیں۔وہ کہنے لگے پانچ منٹ میں ناشتہ ہو جائے گا تمہیں چلنا پڑے گا۔''وہ ہمیں اپنے گھر لے گئے۔راستے میں انہوں نے بتایا کہ مولانا عبدالوحید ربانی صاحب بھی یہاں آئے تھے۔وہ بتاتے رہے کہ یہاں 20 محلے ہیں۔14 محلے مسلم آبادی کے ہیں اور 6 محلے ہندو آبادی کے ہیں۔ان کے بھائی سیاست کار ہیں، وزیر اعلی بھی ان کے ہاں آ چکے ہیں۔ان کا مکان بہت قدیم ہے۔ناشتے کی تھالیاں ہمارے سامنے رکھ کر وہ کہنے لگے''کھاؤ اور کھانے میں گڑ بڑ نہیں کرنا، سب ختم کرنا۔''میں ان کے اس انداز سے محظوظ ہو رہا تھا جب کہ ساتھی کچھ ناگواری محسوس کر رہے تھے۔ناشتے کے بعد انہوں نے ہمیں ریسٹ ہاؤس پہنچایا۔ناشتہ کھانے میں تو ہم گڑ بڑ نہیں کر سکے لیکن اس ناشتے نے ہمارے معدے میں گڑ بڑ کر دی۔ریسٹ ہاؤس میں لوگ کمرے کے باہر جمع ہوتے رہے، دروازہ کھلتا تو وہ ایک جھلک دیکھتے، سلام کر کے وہ چلے جاتے تو دوسرے بہت سے جمع ہو جاتے۔دوپہر کا کھانا عبدالنبی صاحب کے ہاں تھا۔یہ عرس کمیٹی کے رکن ہیں اور بہت مخلص عقیدت مند ہیں۔مفتی صاحب اور ان کے والد محترم بھی موجود تھے وہ ایک کارکن کے گھر لے گئے۔یہاں ہر گھر میں مقبول نام کا کوئی فرد ضرور ہے۔حضرت مولانا قاضی محمد اسمعیل مقبولی نے پورے صوبے میں جانے کتنی مساجد اور مدارس کے نام حضرت شاہ کشمیری کے نام سے منسوب کئے ہیں، ان کی کچھ تفصیل''سوانح مقبول''میں درج ہے۔اس گھرانے کا نمایاں کارنامہ''دارالعلوم امام احمد رضا'' کوکن ہے۔یہ رضا نگر (کونڈ یوڑے) رتنا گیری میں واقع ہے۔جو صوبہ مہاراشٹرا میں ہے۔1988ء میں اس کا آغاز ہُوا۔ حضرت مفتی اعظم اور حضرت احسن العلماء کے خلیفہ الحاج مولانا اسمعیل احمد جانی نے اس کی بنیاد رکھی۔پندرہ ایکڑ زمین میں ایک لاکھ مربع فٹ پر تعمیری کام مکمل ہو چکا ہے اور تعمیر جاری ہے۔ایک ہزار سے زائد طلبہ و طالبات یہاں مقیم ہیں اور طالبات کے حوالے سے یہاں یہ بڑا مدرسہ ہے۔پچاس افراد کا عملہ ہے۔مفتی صاحب کی اہلیہ، بھاوج اور ہمشیرہ بھی معلمات ہیں۔وہ بتا رہے تھے کہ آج تک وہ خود بھی اس عمارت میں نہیں گئے جہاں طالبات کا قیام ہے، اپنی گھریلو خواتین کے ذریعے وہ طالبات کے مسائل سنتے اور حل کرتے ہیں۔یہاں نصابی تعلیم کے ساتھ کمپیوٹر، سلائی کڑھائی اور دیگر شعبے بھی ہیں۔عربی، اردو اور انگریزی میں خطابت بھی سکھائی جاتی ہے۔خاصی بڑی لائبریری بھی ہے۔بھارت میں تیرہ زبانیں تو مختلف صوبوں کی قومی زبانیں شمار ہوتی ہیں۔ان زبانوں کی کتابیں بھی اس لائبریری میں ہیں۔مفتی صاحب اور ان کے بھائی زیادہ تر دارالعلوم ہی میں رہتے ہیں، بانگل ان کا آنا کم ہی ہوتا ہے۔

سہ پہر تک لوگوں سے ملاقات جاری رہی ۔عصر کے وقت ہماری روانگی ہوئی ۔ راستے میں پولیس رپوٹنگ کے لئے ہاویری میں دیر تک رکنا پڑا۔صبح ناشتہ کروانے والے ہمارے ساتھ آئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اگلی دوپہر کھانا بھی انہی کے ہاں کھانا ہوگا۔SP پولیس سے انہوں نے ملاقات کروائی ۔اس نے بہت احترام کیا۔ یہاں دومسلمان پولیس والے مجھے ملنے آئے ،انہوں نے سڑک پر کھڑے پہلے اپنے جوتے اتارے اور پھر ننگے پاؤں آگے بڑھ کر مصافحہ کیا، یہ دونوں بتا رہے تھے کہ وہ گزشتہ شب ہانگل آئے تھے ۔اس مرحلے سے فارغ ہوکر ڈاون گیرا کے لئے روانہ ہوئے ۔ سڑک نسبتۃً بہتر تھی تاہم ٹریفک بہت تھا۔ایئر کنڈیشنڈ بسیں یہاں عام ہیں اور ہر رُوٹ کے لئے وافر ہیں ۔ ڈاون گیرا میں پہنچتے ہی ایک ہجوم نے بڑے بڑے ہار پھولوں سے لاد دیا۔جلسہ شروع ہو چکا تھا۔وضوتازہ کر کے جلسہ گاہ پہنچے تو تمام مجمع مجھ پر ٹوٹ پڑا، بمشکل مجھے اسٹیج پر پہنچایا گیا۔مارہرہ شریف کے پسندیدہ نعت خواں بتا کے جناب مناظر حسین بدایونی کا اعلان ہُوا،انہوں نے کلام اعلیٰ حضرت پڑھا۔ مفتی ابراہیم صاحب نے یہاں بھی مفصل تعارف کروایا۔ انہوں نے محمد زبیر صاحب قادری اوران کی خدمات کا تذکرہ بھی کیا اور خوب کیا۔تھکن نے مجھے مضمحل کیاہُوا تھا،مگر وسیع وعریض میدان میں بہت بڑا اجتماع تھا اوراس ہجوم کا اشتیاق دیدنی تھا۔ خطاب سے پہلے مجھے دو ہار پہنائے گئے ،ایک گلاب کے پھولوں کا تھا دوسرا سفید للیز کا تھا اور میں نے اتنے بڑے اور وزنی ہار پہلے کبھی دیکھے بھی نہیں تھے ۔ایک ہار دس کلوگرام وزنی تھا۔اس قدر پذیرائی کے بعد اللّٰہ کریم کا نام لے کر خطاب شروع کیا۔ بحمدہ تعالیٰ خطاب بہت کامیاب رہا۔محمد زبیر قادری صاحب کے الفاظ تو یہ تھے کہ اسٹیج پر موجود علماء بھی مبہوت تھے ۔خطاب کے بعد ہجوم پر منتظمین بھی قابو نہ رکھ سکے،مسلمان پولیس انسپکٹر آئے اور دست بوسی کی اوراپنے نرغے میں انہوں نے مجھے گاڑی تک پہنچایا۔وہ کہہ رہے تھے کہ ’’آپ یہاں پھر آئے تو آپ کا استقبال دیکھنے والا ہوگا،آپ نے ان سب کے دل جیت لئے ہیں ۔‘‘ ہم اسی وقت ہانگل شریف کے لئے واپس روانہ ہوئے اور صبح پانچ بجے ہانگل شریف پہنچے ۔آج اتوار کی شب ہُبلی کے علاقے والے جلسہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور تا حال ان کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی ۔مفتی صاحب کا گمان تھا کہ انہیں ابھی تک اجازت نہیں مل سکی ہوگی ۔ میں نے عرض کی ایسی صورت میں ہمیں ممبئی واپس بھجوادیں کیوں کہ اجمیر شریف بھی جانا ہے اور وقت کم ہے ۔ ہانگل کے قریب ترین ایئرپورٹ ، گوآ میں ہے اور یہ سفر چار پانچ گھنٹے سے کم وقت میں طے نہیں ہوسکتا تھا۔مفتی صاحب کے ہاں ناشتہ کر کے ہم مزار شریف پر آئے ۔سلام کر کے روانہ ہو رہے تھے کہ ہجوم جمع ہو گیا۔نعروں کی گونج میں ہمیں روانہ کیا گیا۔عبدالنبی صاحب اور مجید صاحب ہمراہ تھے۔محمد زبیر صاحب قادری اور اسحٰق برکاتی صاحب وقفوں میں نیند کرنے کے باوجود تھکن محسوس کرر ہے تھے ۔عبدالنبی صاحب راستے بھر جنوبی ہندوستان کے علاقوں کی معلومات فراہم کرتے رہے ۔انہوں نے ہرپین نامی ایک ڈاکو کے بارے میں بھی بتایا کہ اس کی کیسی دھاک بیٹھی ہوئی ہے اور صندل کے یہ سب جنگل اس کے قبضے میں ہیں ۔کاروار کا علاقہ اور گوآ کے مناظر خاصے دل کش ہیں ۔ہمیں بتایا گیا کہ دو بج کر دس منٹ پر ایک فاسٹ ٹرین گوآ سے ممبئی کے لئے مل سکتی ہے لیکن ہم ریلوے اسٹیشن پہنچے تو بیس منٹ پہلے ٹرین روانہ ہو چکی تھی ۔ ریلوے اسٹیشن پر ہمیں ’’سُنّی دعوت اسلامی‘‘ کے ایک نمائندے ملے ،انہوں نے ہم سے تعاون کیا اور بتایا کہ یہاں سے پون گھنٹے کی مسافت پر ایئرپورٹ ہے اور وہاں سے چار بجے سہ پہر پرواز مل جائے گی ۔عبدالنبی صاحب چاہتے تھے کہ پہلے کہیں کھانا کھالیا

جائے جب کہ وقت کم تھا۔ مفتی ابراہیم صاحب نے ان سب کو تاکید کی تھی کہ مجھے گاڑی کی پچھلی لمبی نشست پر آرام کروائیں لیکن مجھے اندازہ تھا کہ وہ سب بھی نیند کے غلبے میں اونگھ رہے ہیں اور گاڑی میں نیند کرنا مجھے مشکل تھا۔ ایئرپورٹ جاتے جاتے گوآ کے بہت سے مناظر دیکھے۔ یہاں سیاح بہت تعداد میں آتے ہیں، ایئرپورٹ پر تین چار بسیں ان سیاحوں سے بھری کھڑی تھیں جو اسی وقت اپنے ممالک سے پروازوں پر پہنچے تھے۔ اس جگہ کا نام "واسکوڈی گاما" ہے، محمد زبیر صاحب نے ٹکٹ لی۔ کرایہ خاصا تھا اس لئے انہوں نے کہا کہ وہ اور اسحٰق برکاتی، ٹرین یا ایرکنڈیشنڈ بس سے آئیں گے۔ عبدالنبی صاحب رخصت کرتے ہوئے رو پڑے۔ ان کو الوداع کہہ کر بورڈنگ پاس لیا اور لاؤنج میں آیا تو یہاں سب ہی بلکہ سیکیورٹی کا عملہ بھی ٹی وی پر کرکٹ کا ٹیسٹ میچ دیکھ رہے تھے۔ کسی بھارتی کرکٹر نے دوسو دوڑیں مکمل کر لی تھیں جس پر خاصا شور تھا۔ یہ ایرپورٹ بھی انوکھا لگا، اونچائی پر واقع ہے۔ طیارے میں اخبار دیکھ رہا تھا تو سخت تکلیف ہوئی۔ سنڈے میگزین میں کرکٹ ہی کے حوالے سے لاہور کی کچھ تصاویر میں ایک پاکستانی بک اسٹال کی رنگین تصویر بھی تھی اس اسٹال پر کلمہ طیبہ کا پوسٹر آویزاں تھا جو تصویر میں نمایاں تھا۔ یہ اخبار طیارے میں لوگوں کے قدموں تلے رکھے تھے۔ مجھے بیرون ملک ایسے مرحلوں پر بہت بے قراری اور پریشانی ہوتی ہے۔ ایک سفر میں ایک مسلم صحافی نے گفتگو میں مجھے کہا تھا کہ غیر مسلم اگر کسی نبی کی کوئی خیالی تصویر شائع کر دیتے ہیں تو مسلمان بہت مشتعل ہوتے ہیں لیکن ایران، مصر، عراق اور وسط ایشیا کی ریاستوں تاجکستان وغیرہ میں خود مسلمان کہلانے والوں نے طرح طرح کی ایسی کتنی تصاویر جگہ جگہ شائع ہی نہیں کیں بلکہ فروخت کا سلسلہ رکھا ہوا ہے، یہ سب کیا ہے ؟ اس صحافی کو تو مَیں نے جواب دے کر خاموش کر دیا لیکن مسلمان کہلانے والوں کا یہ عمل سچے مسلمانوں کو کس قدر نقصان پہنچا رہا ہے، کاش انہیں کوئی روک سکے۔

ممبئی ایرپورٹ پر فرید نثار صاحب اپنے احباب کے ساتھ موجود تھے۔ ان کے ساتھ " چوپاٹی" کے علاقے سے ہوتے ہوئے " دہلی دربار" میں گئے۔ ممبئی میں طعام کے لئے اسے سب سے بہتر مقام شمار کیا جاتا ہے۔ پروگرام کے مطابق مجھے پیر کی دوپہر واپس آنا تھا، آج شام اچانک واپسی ہوئی تھی۔ ہوٹل پہنچتے رات ہوگئی۔ فاروق درویش صاحب اور مولانا محمد سعید نوری سے فون پر بات ہوئی اور اگلے دن کے پروگرام طے ہوئے۔ پولیس رپورٹنگ کے مرحلے کے بعد رضا اکادمی ممبئی کے آفس پہنچے، حضرت مولانا منصور علی خان اور سفید لباس میں ملبوس رہنے والے مولانا محمد سعید نوری میرے منتظر تھے۔ دہلی دربار میں بابو بھائی نے ظہرانہ رکھا تھا۔ اس دوران مولانا منصور علی خان صاحب سے اہل سنت کے حوالے سے تفصیلی گفتگو ہوئی۔ میری ان سے پہلی ملاقات 1977ء میں ممبئی میں اور دوسری ملاقات 1985 میں اجمیر شریف میں ہوئی تھی۔ دہلی دربار میں طعام کے بعد رضا اکادمی کے دفتر واپس آئے۔ مولانا محمد سعید نوری کا نام دو دَہائیاں پہلے سنا تھا، گزشتہ ماہ کے ماہ نامہ جامِ نور دہلی میں ان کا انٹرویو بھی شائع ہوا تھا، آج جی چاہا کہ کچھ لمحے ان سے باتیں کروں اور اپنے حلقوں میں ان کا تعارف کرواؤں۔

الحاج شفیع احمد رضوی کے اس فرزند کا نام حضرت مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا صاحب نوری علیہ الرحمہ نے رکھا۔ حضرت مفتی اعظم ممبئی میں انہی کے ہاں قیام فرماتے تھے۔ 1978 میں انہوں نے ممبئی میں "رضا اکادمی" قائم کی۔ انہیں

قلق تھا کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی اور علمائے اہل سنت کی تحریریں طبع نہیں ہوتیں۔ اہل سنت میں تحریری کام بہت ہوا ہے لیکن منظر عام پر نہیں آیا۔ نوری صاحب نے نوجوانوں کے ساتھ مل کر اس کام کا آغاز کیا اور 25 برس میں انہوں نے اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ ہی کی 352 تصانیف شائع کرنے کا اعزاز حاصل کیا، دیگر مطبوعات اس کے علاوہ ہیں۔ قرآن کریم کا ترجمہ کنزالایمان اردو اور انگریزی میں شائع کیا گیا، شرح بخاری شریف مکمل شائع کی گئی۔ حضرت مفتی اعظم، حضرت مولانا برہان الحق اور حضرت مولانا ریحان رضا خاں صاحب کی سرپرستی اور توجہات انہیں حاصل رہیں۔ مولانا محمد سعید نوری نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کی ایک مختصر سی جھلک ملاحظہ ہو :

☆ 1981 میں ممبئی کے مستان تالاب گراؤنڈ میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے چہلم کی فاتحہ کا اجتماع منعقد کیا گیا جس میں اخباری رپورٹ کے مطابق 80 ہزار افراد کو کھانا کھلایا گیا۔

☆ 1981 ہی سے ہر ہفتے نوری محفل منعقد ہوتی ہے اور قادری توشہ شریف کا اہتمام ہوتا ہے، ان محافل میں دنیا بھر کے سینکڑوں علمائے کرام شریک ہو چکے ہیں۔

☆ 1983 میں ہندو پاک نعتیہ مشاعرہ منعقد کیا گیا اور مفتی اعظم کانفرنس منعقد ہوئی (اس میں مہمان خصوصی میرے والد گرامی علیہ الرحمہ تھے)۔

☆ 1985 سے "سُنی رضوی کلینڈر" ہر سال شائع ہوتا ہے جس میں مسلک حق کی ترجمانی کے ساتھ خاصی معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔

☆ 1985 ہی میں فتاوی رضویہ کے اس نسخہ کو شائع کیا گیا جسے بریلی شریف سے حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے پہلی مرتبہ شائع کیا تھا۔

☆ 1988 میں عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر بہترین تزئین و آرائش کرنے والوں کے لئے انعامات کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

☆ 1988 ہی میں رضا اکادمی کے دس سال پورے ہونے پر جشن منایا گیا اور اخبارات میں خصوصی ضمیمے شائع کروائے گئے۔

☆ 1991 میں مکمل بخاری شریف شائع کی گئی۔

☆ 1992 میں صد سالہ جشن ولادت حضرت مفتی اعظم منایا گیا جس میں برطانیا سے حضرت مولانا قمرالزماں اعظمی تین غیر مسلم افراد کو بھی ساتھ لائے اور دس ممالک کے علماء اور دانش ور شریک ہوئے۔

☆ 1994 میں فتاوی رضویہ کی مکمل 12 جلدیں اعلی حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کے 75 ویں سالانہ عرس شریف کے موقع پر شائع کی گئیں۔

☆ 1995 میں جشن معراج النبی ﷺ کے موقع پر سالانہ جلوس کا آغاز ہوا۔

☆ 1995 میں قرآن کریم کا اردو ترجمہ کنزالایمان 20 ہزار کی تعداد میں حجاج کرام میں مفت تقسیم کیا گیا۔

☆ حضرت سیدنا خواجہ غریب نواز رضی اللّٰہ عنہ کا 786 واں سالانہ عرس بڑے اہتمام سے منایا۔ ممبئی سے اجمیر تک پوری

خصوصی ٹرین چلائی گئی۔

☆ مولانا محمد سعید نوری کے بہنوئی مولانا توصیف رضا خاں کی کوششوں سے دسمبر 1995ء میں حکومت ہند کی جانب سے اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمہ کی یاد میں ڈاک ٹکٹ جاری ہُوا۔ رضا اکادمی کا یہ مطالبہ مدت سے تھا جو 1995ء میں پورا ہُوا۔

☆ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا 150 سالہ جشن، فضا، سمندر اور زمین میں منایا گیا۔ پندرہ روز تک اخبارات میں سوالات کا انعامی مقابلہ شائع ہُوا جس میں پہلا انعام سفرِ حج کا خرچ یا گیارہ تولہ سونا رکھا گیا۔

☆ بخاری شریف کی مکمل شرح بنام ''نزہتہ القاری'' لکھنے والے حضرت مولانا مفتی شریف الحق امجدی کی خدمات کے اعتراف میں انہیں چاندی میں تولا گیا۔ متعدد علماء کرام کو ان کی خدمات کے اعتراف میں نقد رقم کے ساتھ ایوارڈ دیئے گئے۔

☆ متعدد اہم مواقع اور امور پر مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور غیرت ایمانی کے مظاہرے کے لئے نمایاں کردار ادا کیا گیا یہاں تک کے ہندو اخبارات میں مولانا محمد سعید نوری کو ہندو انتہا پسند لیڈر بال ٹھاکرے کے مقابل مسلم رہنما شمار کیا۔

☆ ناگہانی آفتوں کے وقوع پر بھاری رقوم سے مستحقین کی امداد کی گئی۔

☆ عراق کے مسلمانوں کی مدد کے لئے عراق پر امریکی یلغار کے بعد ساڑھے سات لاکھ کے امدادی سامان کے ساتھ مولانا نوری ایک وفد لے کر گئے لیکن انہیں عراق میں داخل نہیں ہونے دیا گیا البتہ امدادی سامان اُردن میں وصول کر لیا گیا۔

☆ فلاحی اور رفاہی کاموں کی الگ فہرست ہے۔ ان تمام خدمات کی تفصیل کے اخباری تراشے اور ریکارڈ رضا اکادمی کے مرکزی دفتر میں محفوظ ہے۔

☆ ''آخر اختلاف کیوں'' کے عنوان سے میری وڈیو سی ڈی ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کی جا رہی ہے۔

مولانا محمد سعید نوری نے بتایا کہ انہوں نے رضا اکادمی کی کئی شاخیں قائم کی ہیں جس کی تفصیل سالانہ کیلنڈر میں موجود ہے۔ اس اکیڈمی کو 25 برس ہو گئے لیکن آج تک چندے کے لئے رسید کا پیاں بھی شائع نہیں کی گئیں۔ ان کے معاونین کا ایک حلقہ ہے جس میں گیارہ بارہ افراد شامل ہیں جو از خود مالی تعاون کرتے ہیں۔ ان کا دل و دماغ مسلکِ حق کی ترجمانی اور دنیا کو اہلِ حق کی طرف راغب کرنے کے لئے متحیر کر دینے والی باتیں سوچتا ہے اور وہ ہمہ وقت سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔ وہ بتا رہے تھے کہ علمائے اہلِ سنّت ان سے تعاون کرتے ہیں اور حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

شہر ممبئی میں طلبہ کی زیادہ تعداد کے حوالے سے سُنّی دار العلوم محمدیہ نمایاں ہے اور تصلب فی الدین کے حوالے سے دار العلوم حنفیہ رضویہ کی شہرت ہے۔ افتاء میں مفتی محمود اختر صاحب مقبول ہیں جو حضرت صدر الشریعہ کے نواسے ہیں۔ خطابت میں حضرت مولانا محمد منصور علی خان نمایاں ہیں جو مولانا حشمت علی خان علیہ الرحمہ کے بھتیجے ہیں۔ ممبئی میں ایک ہزار مساجد ہیں جن میں سے 750 سُنّی ہیں۔ مسلم آبادی 20 لاکھ سے زیادہ ہے اور اکثریت سُنّی عقائد رکھتی ہے۔ یہاں سب سے زیادہ اہتمام سے عید میلاد النبی ﷺ کا تیوہار منایا جاتا ہے۔ ممبئی میں بھی ایک علماء کونسل ہے جس میں تمام مسالک کے افراد شامل ہیں، یہ پاکستان کی متحدہ مجلس عمل ہی کی طرح ہے۔ مولانا حامد اشرف صاحب اس کے سربراہ ہیں اور صلح کلی ہونے کے حوالے سے متنازع ہیں۔ نمایاں سُنّی تنظیمیں یہ ہیں: ☆ رضا اکادمی ☆ تحریکِ فکرِ رضا ☆ دعوتِ اسلامی ☆ سُنّی جمعیۃ

العلماء ☆ سُنّی دعوتِ اسلامی۔

ظہرانے میں مجھے بتایا گیا کہ انہوں نے اس شب ممبئی کے علماء واحباب سے ملاقات کروانے کے لئے کھتری مسجد میں استقبالیہ کے عنوان سے پروگرام رکھ لیا ہے۔ ظہرانے کے بعد دعوتِ اسلامی کے نگران شبیر صاحب نے اپنے کچھ دوستوں سے ملوایا اور اپنے مکتبہ پر لے گئے۔

زم باب وے کی مدینہ مسجد میں گنبد خضرا اور جالی شریف کی ایک روشن تصویر کا فریم مَیں نے دیکھا تھا، معلوم ہُوا کہ یہ ممبئی سے آیا ہے۔ اقراء بک ڈپو کے نام سے یہ دکان اسی علاقے میں تھی۔ وہاں اس فریم کا آرڈر دیا اور مزید کچھ مزارات کی تصویریں حاصل کیں۔ محمد زبیر صاحب آج صبح ممبئی پہنچے تھے، ان سے ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اقراء بک ڈپو سے ہم تحریک فکر رضا کے دفتر آئے اور وہاں سے ہوٹل پہنچے۔ مغرب کا وقت ہو گیا۔ ممبئی میں ٹریفک ایک مسئلہ ہے یہاں خواتین بھی اسکوٹر اور موٹر سائکل چلاتی ہیں۔ تنگ سڑکوں پر اکثر جگہ ٹریفک جام ہو جاتا ہے۔ ہوٹل میں احباب جمع تھے، چند ہی لمحوں کے بعد کھتری مسجد کے لئے روانہ ہو گئے، فاصلہ زیادہ نہیں تھا، ٹریفک رواں نہ ہونے کے باعث کچھ وقت لگ گیا۔ اس پروگرام کے لئے کوئی تشہیر نہیں کی گئی تھی لیکن مسجد بھری ہوئی تھی۔ مجھے مختصر خطاب ہی کے لئے کہا گیا تھا۔ ٹی وی پر دیکھنے والے پہچانتے تھے اور ابّا جان قبلہ علیہ الرحمہ کا نام اہلِ سنّت میں بہت مقبول ہے۔ حضرت مولانا محمد منصور علی خاں صاحب نے افتتاحی کلمات میں کچھ تعارفی جملے بھی فرمائے۔ خطاب شروع ہوتے ہی نعرے گونجنے لگے، ممبئی والوں کے لئے میرا اندازِ بیاں نیا اور مختلف تھا، مجھے دورانیہ بڑھانے کے لئے کہا گیا۔ ایک گھنٹے کا یہ خطاب بہت دل چسپی اور دل جمعی سے سنا گیا۔ اس اجتماع میں ممبئی کے شہر کے متعدد علمائے کرام موجود تھے۔ حضرت مولانا منصور علی خان نے ان سب کا تعارف کروایا۔ خطاب کے بعد مجھے رضا اکادمی ممبئی کی طرف سے شائع کردہ ''مسائل نماز'' کی دو جلدوں کا تحفہ دیا گیا، یہ فتاوٰی رضویہ سے سے نماز سے متعلق مواد جمع کر کے دو جلدوں میں محفوظ کیا گیا ہے، اسے مہاراشٹرا کے وزیر خوراک جناب محمد عارف نسیم خاں نے اپنے والدین کے ایصالِ ثواب کے لئے شائع کروایا ہے۔ ہوٹل واپس آئے تو یوں معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے سارا ہجوم وہاں چلا آیا ہے۔ سب کا اصرار تھا کہ کراچی واپسی سے پہلے ایک پروگرام اور ہونا چاہیئے۔ ڈھائی بجے شب تک ان میں سے کسی کا بھی وہاں سے اٹھنے کو جی نہیں چاہا۔ صبح پانچ بجے اجمیر شریف کے لئے میری روانگی تھی۔ فرید نثار اور عمران صاحبان کی ڈیوٹی جناب محمد زبیر قادری نے لگا دی تھی وہ گاڑی لے آئے۔ جیٹ ایئر ویز کا طیارہ اُدے پور ٹھہرتا ہوا جے پور پہنچا۔ محترم فاروق درویش صاحب نے جناب راشد کاغذی کو پہلے سے اطلاع کر دی تھی، ان کا ڈرائیور جے پور ایئر پورٹ پر میرا منتظر تھا۔ جے پور سے اجمیر شریف کے لئے نئی سڑک زیرِ تعمیر ہے۔ ڈرائیور نے بہت پُھرتی دکھائی اور دن سَوا بارہ بجے اجمیر شریف پہنچا دیا۔ اجمیر شریف میں بھی میری آمد کی خبر ہو چکی تھی۔ موٹر سائیکل پر سوار نوجوان شہر میں داخل ہونے والے زائرین کی تاک میں رہتے ہیں، جب تک انہوں نے میرے میزبان کو نہیں دیکھ لیا وہ تعاقب کرتے رہے۔ میزبان نے اپنے فرزند کو پولیس رپورٹنگ کے لئے بھجوا دیا، اس دوران میں نے حاضری کے لئے خود کو تیار کر لیا۔ میزبان نے طعام کی دعوت دی۔ درگاہ شریف میں آیا تو ظہر کی جماعت تیار تھی۔ نماز ادا کر کے حاضری کے لئے بڑھا۔ سلطان الہند حضرت خواجہ خواجگان سیدنا معین الدین حسن چشتی اجمیری سرکار غریب

نوازرضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں پہنچا۔ یہاں مَیں ایک مدت بعد آیا تھا۔

یہاں آپ کو زیارت کروانے والے پوری توجہ اور یک سوئی سے خود حاضری کا موقع دینے کی بجائے ہدایات دیتے ہیں اور مجھے ہر بار خود کو سمجھانا پڑتا ہے کہ یہ یہاں کے وابستہ ہیں اور سادات ہیں، اس لئے چون و چرا نہ کروں ۔ یہ وابستگانِ درگاہ میرے خواجہ کے مرقد مبارک کو پشت کرتے ہوئے زائر پر چادر شریف کا کنارا ڈال کر خود کچھ جملے دعائیہ کہتے ہیں پھر قدم بوسی کرواتے ہیں اور نذرانہ وصول کر کے فارغ کر دیتے ہیں۔ میرے ساتھ انہوں نے یہ سب نہیں کیا لیکن میں نے ہر بار یہی دیکھا۔ یہاں غیر مسلم مرد و عورت بھی آتے ہیں، اکثر خواتین پردہ تو کیا مکمل لباس سے اپنا پورا بدن بھی ڈھانک کر نہیں آتیں۔ ہر دروازے پر یہی سادات کرام رجسٹر لئے تشریف فرما ہیں اور نذرانے جمع کروانے کے لئے آواز بھی لگاتے ہیں۔ قدم شریف کے قریب مشرکوں کی تصویر والے نوٹ نظر آتے ہیں جو انہی سادات کے کسی فرد کے سامنے رکھے ہوتے ہیں۔ حضرت کی شاہ زادی کے قدموں میں بھی یہی منظر ہے

مجھے میزبان نے چادر شریف تلے دعا کر کے میری درخواست پر مجھے آزاد کر دیا۔ سادات نے مجھے ٹی وی میں دیکھا ہوا تھا اس لئے سب ہی نے توجہ سے نوازا۔ میرے گلے میں حضرت کے آستانے کی چابیوں والا ڈورا بطور اعزاز رکھا۔ میری دستار بندی بھی کی ، مجھے دیر تک وہاں کھڑے ہو کر اپنے طور پر حاضری کا موقع دیا۔ جی چاہتا تھا کہ وہاں اور بھی ٹھہروں لیکن مجھے آج ہی شام سات بجے جے پور سے ممبئی کی پرواز پر پہنچنا تھا۔ اجمیر شریف سے روانہ ہوتے پونے چار بج گئے ۔ فاروق درویش صاحب نے اجمیر شریف بھی فون پر رابطہ رکھا اور دعاؤں کی تاکید کرتے ہوئے کہا کہ پوری امت کے لئے دعا کروں۔

اجمیر شریف میں کبھی مسلم آبادی خاصی تھی ۔ یہاں تعمیر ہونے والی مساجد کی تعداد 350 ہے۔ لیکن اکثر بند رہتی ہیں ۔ بتایا گیا کہ بیس پچیس مساجد آباد ہیں۔ شہر کی پرانی بستیاں جوں کی توں ہیں اور بہت گنجان ہیں۔ ایک نیا بڑا ہوٹل انا ساگر کے قریب بنایا گیا ہے ۔ زائرین کی آمد و رفت روز ہی خاصی تعداد میں رہتی ہے ۔ اجمیر شریف سے جے پور کی سڑک پر بڑی گاڑیوں (ٹرکوں وغیرہ) کا تسلسل رہتا ہے اور سڑک زیر تعمیر ہونے کی وجہ سے کئی جگہ ٹریفک رواں نہیں رہتی ، ڈرائیور نے مہارت کا مظاہرہ کیا ۔ راشد صاحب کے والد محترم حاجی عبدالمجید صاحب مارہرہ شریف سے مجاز ہیں اور کراچی میں برسوں پہلے میرے والد محترم علیہ الرحمہ سے مل چکے ہیں، ان کی تاکید تھی کہ ان سے ملے بغیر نہ جاؤں ۔ اس ملاقات کے لئے کیا جتن کرنے پڑے؟ وہ الگ تفصیل ہے ۔ تاہم ان کی فیکٹری میں ان سے ملاقات بھی ہوئی اور مغرب کی نماز وہاں ادا کر کے ایئر پورٹ پہنچے تو پرواز کی روانگی میں صرف پانچ منٹ باقی تھے ۔ اُدے پور ہوتی ہوئی پرواز ممبئی پہنچی ۔ احباب نے استقبال کیا اور ہوٹل لائے اور وہیں مختصر کھانا کھلایا۔ محمد زبیر قادری صاحب نے بتایا کہ یہاں کے احباب نے کل رات کو مینارہ مسجد میں آپ کے خطاب کے لئے اخبارات میں اشتہار بھجوا دیا ہے، ان سب کو معلوم تھا کہ کل اپنی وطن واپسی کی پرواز کے لئے دو بجے شب مجھے ایئر پورٹ پہنچنا ہے اور کل شب باندرہ میں فاروق درویش صاحب نے الوداعی عشائیہ رکھا ہے، باندرہ سے مینارہ مسجد کا فاصلہ خاصا ہے۔ اگر بہت جلدی بھی کریں گے تو گیارہ بجے شب سے پہلے مینارہ مسجد نہیں پہنچ سکیں گے۔ مولانا محمد سعید نوری کو فون کیا تو انہوں نے کہا گیارہ بجے بھی آنے پر کوئی اعتراض نہیں، لوگ مشتاق ہیں ۔ بدھ کی صبح پولیس رپورٹنگ کے

آخری مرحلے سے فارغ ہوکر مکتبہ جامعہ اور فرید بک ڈپو گیا۔فرید بک ڈپو والے مذہبی کتابیں خوب شائع کررہے ہیں اور میرے والد گرامی علیہ الرحمہ کی کتابیں صرف چھاپ ہی نہیں رہے بلکہ پاکستان بھی بھجوار ہے ہیں۔ان سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن ذمہ دار شخص موجود نہیں تھے۔محمد اویس صاحب سے شبیر صاحب نے ملوایا تھا،ان سے کچھ چیزیں وہ لیں جن کے لئے میری والدہ محترمہ نے فرمایا تھا۔بازار میں کچھ دیر گزارنے کے بعد مَیں ہوٹل آیا تو ہوٹل کے مالکان ملے،وہ ملال کر رہے تھے کہ طعام کے لئے انہیں خدمت کا موقع کیوں نہیں دیا۔مولانا غلام جابر شمس مصباحی نے پھر رابطہ نہیں کیا تھا۔محترم فاروق درویش کا فون آیا کہ مَیں مغرب میں ان کے آفس آجاؤں اور دعا کروں پھر وہاں سے اکٹھے باندرہ چلیں گے اور جلسہ کی وجہ سے وقت بچانے کی کوشش کریں گے۔میرے پاس چند لمحے تھے،سامان باندھا کہ پھر وقت نہیں ملے گا۔

مبارک پور فون کر کے محترم مولانا مبارک حسین مصباحی سے بات کی،وہ شکوہ کررہے تھے کہ مبارک پور کے لئے وقت کیوں نہیں نکالا ؟ ان سے عرض کی کہ مختصر پروگرام پر آیا تھا اور صرف تین شہروں کا ویزا تھا۔انہوں نے حضرت پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی کے توسط سے مجھے اپنی تصانیف اور سید ین نمبر بھجوایا تھا۔اس حوالے سے کچھ باتیں ہوئیں۔وہ بتارہے تھے کہ حضرت حافظ ملت مولانا عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے فرزند کچھ لمحے پہلے ان کے ہاں تھے۔فون پہلے آتا تو ان سے بھی بات ہوجاتی۔مولانا مبارک حسین کا بیاہ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی پوتی سے ہوا ہے۔مولانا نے رابطے جاری رکھنے کی تاکید فرمائی۔حضرت مولانا خوش تر نورانی سے دہلی فون پر رابطہ کیا۔انہیں بھی شکوہ تھا کہ ملاقات نہیں کی۔وہ ماہ نامہ "جام نور" دہلی کے جہاد نمبر کے لئے ابتداء ہی سے مجھ سے رابطہ کرتے رہے لیکن اسفار کی کثرت نے مجھے اپنی تحریر مکمل کرنے کی مہلت نہیں دی۔وہ بتارہے تھے کہ عرس رضوی سے پہلے وہ جہاد نمبر کا اردو ایڈیشن پیش کردیں گے اس کے بعد انگریزی میں اس کا ترجمہ شائع کیا جائے گا۔گفتگو کے دوران اقراء بک ڈپو سے سلیم صاحب روشن فریم کو عمدگی سے پیک کر کے لے آئے،انہوں نے اپنے سُسر سے فون پر بات کروائی۔مولانا عبدالستار ہمدانی صاحب کا فون آیا،انہوں نے بتایا کہ 80 سے زائد بڑی عربی فارسی قدیم کتابیں وہ شائع کر چکے ہیں صرف اس لئے کہ اب بدعقیدہ افراد پرانی کتابوں سے وہ تمام عبارتیں نکال رہے ہیں جوان کو پسند نہیں یاان کے عقائد کے خلاف ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ایسے لوگوں کی سازش اور خیانت بے نقاب کی جائے۔نمازِ مغرب ادا کر کے محترم فاروق درویش صاحب کے آفس کے لئے روانہ ہوئے۔اپنے گھر کی طرح انہوں نے اپنے آفس میں بھی نماز کی ادائی کے لئے عمدہ جگہ مخصوص کی ہے،وہ اپنے آفس کے ہر شخص سے خود بات کرتے ہیں اور ان کی کارکردگی بھی سراہتے ہیں۔انہوں نے اپنا کمرہ بھی عمدگی سے آراستہ کیا ہے۔وہ سفید سادہ کرتے اور شلوار میں ہی تھے اور سر ڈھکا ہوا تھا۔ان کی یہ عادت بھی خوب ہے کہ وہ اپنے پاس بیٹھے ہر ایک کو دوسرے سے متعارف کرواتے ہیں۔عمرہ وزیارت اور حج کے سفر کے حوالے سے اس وقت ان کے پاس یوسف کھیرادا بیٹھے ہوئے تھے۔درویش صاحب نے ان سے کہا کہ وہ مجھے اپنی مطبوعہ تمام تفصیل ضرور فراہم کریں۔درویش صاحب نے اپنے بھائی سے بھی ملوایا اور عملے کے کچھ افراد سے بھی اور عزت افزائی کرتے ہوئے مجھے ایک شال اوڑھائی۔ان کے ساتھ ان کی قیام گاہ کے لئے وہاں سے روانہ ہوئے۔راستہ میں جے پور والے راشد کاغذی صاحب کا فون آیا۔درویش صاحب نے ان سے میری بات بھی کروائی۔مجھے کچھ ضروری باتیں دینی امور کے حوالے

سے درویش صاحب کے گوش گزار نی تھیں، جلسہ کی وجہ سے عشائیے میں وقت نہ ملتا، یوں یہ سفر کام آ گیا۔ درویش صاحب نے سادہ اور عمدہ پکوان کھلایا، ان کے فرزند اور ہم زُلف حاجی عبدالمجید نوری صاحب بھی موجود رہے۔ درویش صاحب نے جناب محمد زبیر قادری اور ان کے ساتھیوں سے کچھ مفید باتیں کیں۔ درویش صاحب نے کوشش کی کہ حضرت امین ملت سے فون پر رابطہ ہو جائے لیکن فون نہیں ملا۔ انہوں نے اپنے گھر سے ملحق مسجد میں جمعہ کے اجتماع اور ماہ صیام میں افطاری کے مناظر کی بابت بھی بہت کچھ بتایا، وہ اپنی عمارت کے بیرونی دروازے تک الوداع کہنے آئے اور ہماری گاڑی روانہ ہونے تک وہیں کھڑے رہے۔ انہوں نے مجھ گناہ گار کی بہت پذیرائی کی، اللّٰہ کریم انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

باندرہ سے مینارہ مسجد کے راستے میں محمد زبیر قادری صاحب اور ان کے ساتھی "تحریک فکرِ رضا" کے بارے میں تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ ڈرائیور مہارت دکھاتا رہا اور ہم پانچ سات منٹ کی تاخیر سے مینارہ مسجد پہنچ گئے۔ مسجد کے باہر ہجوم سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اندر کوئی جگہ باقی نہیں۔ حضرت مولانا محمد منصور علی خان نے استقبال کیا۔ آج علماء کی تعداد کچھ زیادہ تھی اور بہت سے لوگ بیٹھنے کی جگہ نہ ہونے کی باعث کھڑے تھے۔ مولانا نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ مسجد کے دروازے پر میری 8 تقاریر کی کیسٹیں دست یاب ہیں۔ عشقِ رسول اور امام احمد رضا کے عنوان پر تقریر شروع ہوئی اور ایک بجے شب تک جس جوش اور محبت وعقیدت سے مجھے سنا گیا وہ دیدنی تھا۔ لوگوں سے مَیں نے گزارش کی کہ مجھے ایر پورٹ پہنچنا ہے اس لئے مصافحہ نہ کر سکوں گا وہ مجھے راہ دے دیں۔ لوگوں نے راہ تو بنادی لیکن مصافحہ کے لئے ہر طرف سے ہاتھ بڑھتے ہی رہے ہم بمشکل گاڑی تک آئے۔ مولانا محمد سعید نوری اس اجتماع میں نہ آ سکے تھے کیوں کہ اچانک ان کے والد محترم کی طبیعت ناساز ہوگئی تھی۔ سامان لینے ہم ہوٹل پہنچے تو ہم سے پہلے موٹر سائیکل سواروں کا جلوس وہاں جلسہ گاہ سے پہنچ چکا تھا۔ مولانا نوری بھی تشریف لائے۔ وقت کم اور ایر پورٹ کا فاصلہ زیادہ تھا اس لئے فوراً روانہ ہوگئے، سائیکل سواروں کا یہ جلوس گاڑی کے ساتھ چلتا رہا۔ ماہیم میں گاڑی روک کر حضرت قطب کوکن کے مزار شریف پر عمارت کے باہر ہی سے فاتحہ خوانی کی اور ایر پورٹ آ گئے۔

6 دن کے اس مختصر دورے میں ہندوستان کے چار صوبوں کا تھکا دینے والا سفر کیا۔ مہاراشٹرا، کرناٹک، گوآ اور راجھستان۔ محمد زبیر صاحب قادری نے شاید جھلک دکھانے ہی کے لئے مختصر پروگرام رکھا تھا۔ مجھے سب ہی نے اپنے حسن سلوک سے نوازا اور بلا شبہ خوب پذیرائی کی۔ کرناٹک والے اور محمد زبیر قادری صاحب تو کتنے دن نیند بھی نہیں کر سکے۔ اللّٰہ کریم ان سب کو اپنی رحمتوں سے نوازے اور بے پناہ اور بہترین اجر عطا فرمائے۔

محترم فاروق درویش صاحب اور محمد زبیر قادری سے کراچی واپس پہنچنے پر بات ہوئی تو وہ کہہ رہے تھے کہ یہاں سب ہی تمہاری باتیں کر رہے ہیں اور کہتے ہیں ایسی تقریریں نہیں سنی تھیں وہ اور بھی بہت کچھ کہتے رہے میں نے جواباً یہی کہا کہ یہ سب میری نبی پاک ﷺ کے مبارک نام اور ذکر کی برکتیں ہیں جو کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ .... دعا یہی ہے کہ

محشر میں میرا رہ جائے بھرم، اللّٰہ کرم اللّٰہ کرم

☆☆☆